سلسلۂ اشاعت ولا اکیڈمی - ۲۴

مجموعۂ رباعیات (حصہ دوم)

افق در افق

از
نواب مظفر الدین خاں صاحب

سلسلۂ مطبوعات ولا اکیڈیمی (۲۴)

افق در افق

انتخابِ رباعیات (جلد دوم)

سید مظفر الدین خاں

صاحب حیدر آبادی

۱

افق در افق — رباعیات صاحب

نام کتاب	افق در افق
بار اول تعداد	۵۰۰
کتابت	سید بشیر الدین
مطبع	لکی پریس چھتہ بازار حیدرآباد
قیمت	آٹھ روپے پچاس پیسے
طباعت	اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء
ٹائیٹل	محمد غوث آرٹسٹ
ناشر	ولا اکیڈیمی

ملنے کا پتہ :

۱۔ ولا اکیڈیمی "عزیز باغ" سلطان پورہ حیدرآباد ۲۴

۲۔ مکان مصنف 21-1-37 اندرون نیا پل
متصل مسجد ٹیپو خاں حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

۳۔ ادبی ٹرسٹ بک ڈپو کنارا بنک عابد روڈ
حیدرآباد ۱

اِنتسابؑ

مرحومہ مادرِ علمیہ جامعۂ عثمانیہ کے نام
جس کا ذریعۂ تعلیم کبھی اُردو تھا۔

جلوۂ حسن بہر رنگ ابھر آیا ہے
میرا دیوان ہے یا آئینہ خانہ تیرا

صاحبؔ

ہدیۂ خلوص
قدیم کرم فرما خواجہ حمید الدین صاحب شاہد
ایم اے عثمانیہ شعبہ اردو بورڈ
کراچی کی خدمت میں
صاحب
حیدر آبادی
28.12.76

افق در افق — رباعیات صاحب

فہرست

حرفِ اخلاص

"افق در افق"

شاید ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ قدیم حیدرآباد کے ایک ممتاز تحصیلدار سے سر علی امام کی ملاقات اسوقت جبکہ وہ صدارت عظمیٰ کا جائزہ لینے حیدرآباد جا رہے تھے ریلوے کمپارٹمنٹ میں ہوئی یہ انوکھی ملاقات تھی جس کی تفصیلات کو بعد میں مختلف افسانوی رنگ آمیزیوں کے ساتھ پیش کیا گیا لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سر علی امام سے یہ حیدرآبادیت کا پہلا تعارف تھا اور اپنے کلچر کی بھرپور نمائندگی نواب زین العابدین خاں عرف جینو نواب نے کی تھی۔ اور اس مختصر سی ملاقات میں اپنی شخصیت کی ایسی گہری چھاپ ڈالی کہ سر علی امام کی توجہ کو دوران ملاقات ہی نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز تک اپنی جانب منعطف کرائے رکھا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ تقریباً پچاس سال بعد نواب زین العابدین خاں کے بھتیجے اور فرزند آغوشی نواب مظفر الدین خاں صاحب حیدرآبادی نے سر علی امام کے خاندان کے ایک لائق سپوت ڈاکٹر اختر امام کو اس ڈرامائی انداز میں چونکا دیا۔ اسکی تفصیل خود اختر امام صاحب کی زبانی سنئے جو سری انکا سے صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"آپکے عزیز حسینی صاحب کی نوازشوں سے "سخن در سخن" کا بیش بہا گلدستہ ہاتھ آیا۔ پہلے تو گستاخی معاف یہ سمجھا کہ ہوگی کوئی منظوم حماقت، کیونکہ شاعری کی کثرت سے کچھ گھبرا سا گیا ہوں۔ رات کے وقت دل میں کہا ذرا دیکھوں تو سہی آخر اس مجموعہ میں شاعر نے رگِ گل سے بلبل کے پر باندھے ہیں، یا لیلیٰ و شیریں کے حسن کو نکھارا ہے چنانچہ بسم اللہ کہہ کر لیٹے لیٹے مطالعہ شروع کیا۔ پیش لفظ، تقریظ، حرف اخلاص سے گذرتا ہوا جب رباعیات کی منزل میں پہنچا تو جلد ہی سنبھلنا پڑا۔ کیونکہ خلاف توقع اس کی فضا ہی کچھ اور تھی۔ اس میں جام و مینا بھی تھے نکھری ہوئی سرشاریاں بھی۔ مگر ایسی رباعیات بھی خاصی تعداد میں ملیں جن میں ساز کے ساتھ سوز بھی تھا۔ اور شراب میں ڈوب کر مرنے

تیز نشتر بھی یہی وہ اشارات ہیں جنہیں میں غیر فانی ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ سمجھتا ہوں اور بلا مبالغہ حقیقت بھی یہی ہے کہ ان میں آہیں جذب ہو چکی ہیں۔ دہکتا ہوا انگارہ تو شاید کہنا نامناسب ہوگا۔ مگر دبی ہوئی چنگاریاں موجود ہیں۔ جنہیں پھونک کر ہر ناقد دہکا سکتا ہے۔ یہی وہ چنگاریاں ہیں جن پر ادب فریفتہ ہے " رباعی"

کیوں یاد بہت آتے ہیں کھوئے ہوئے دن ؎ مہکی ہوئی راتوں میں ڈبوئے ہوئے دن
انفاس کی خوشبو میں دمکتی راتیں ؎ گفتار کی لذت میں سموئے ہوئے دن

بار بار پڑھتا رہا اور "مہکی ہوئی راتوں میں ڈبوئے ہوئے دن" ہمیں اس سرزمین میں لے گئے جہاں بوئے گل سے نفیس باد صبا عطر آگیں ہے۔ پھر جب آپ رباعی

خلوت میں بھی ایک انجمن ہیں ہم لوگ ؎ جو اڑ چکا وہ رنگ چمن ہیں ہم لوگ
باقی ہیں تمدن کے نمونے اب چند ؎ بکھری ہوئی تاریخ دکن ہیں ہم لوگ

میں تمدن کے نمونے کہتے ہیں ابد الآباد تک اجاگر رہا کریں گے۔ انسانی مجنوں نے جن ذروں کو چمکایا ہے۔ اس کی جگمگاہٹ نہ چنگیز و ہلاکو دھندلا کر سکے نہیں نہ المیلا۔ اس وقت جو بے بصارت مورخ ہیں وہ جو چاہیں لکھ جائیں ان کے قلم کو روک ہی کون سکتا ہے

مگر زمانہ ایک سا نہیں رہتا مستقبل تیز تلوار کی طرح حقیقت اور من گھڑت کو کاٹ کاٹ کر الگ کر دے گا۔ آپ کی طرح میں بھی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی مفاد کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہوں۔ یہ انفرادی زندگی دراصل فطرت کا ایک بیش بہا عطیہ ہے۔ ایک امانت ہے جس میں خیانت ہم خود پرستی یا ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ اقبال نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ؎ موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

یہ ایک خوبصورت اظہار پسندیدگی تو ہے لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ "سخن در سخن" کی خوشبو دور دور تک پہنچ رہی ہے۔ اور ولا اکیڈیمی کی خدمات کو بیرونی ممالک میں بھی سراہا جا رہا ہے۔ اس ہمت افزائی کی وجہ سے ہم نے

ضروری خیال کیا کہ صاحبؔ نے جو رباعیات "سخن در سخن" کی اشاعت کے بعد لکھی ہیں۔ ان کو ایک مجموعے کی شکل میں شائع کیا جائے۔ ولا اکیڈمی صاحبؔ کی ممنون ہے کہ انھوں نے ہماری فرمائش پر رباعیات کے مجموعہ کی اشاعت سے نہ صرف اتفاق فرمایا بلکہ اس کی اشاعت کے مصارف بھی خود برداشت فرمائے۔ اس طرح ادب کی دوہری خدمت کی۔

صاحبؔ ایک ماہر فن کار کی حیثیت سے رباعی جیسی مشکل صنفِ سخن کو اپنے پیغام کو دوام بخشنے کا ذریعہ بنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے پاس انسانیت کے لئے ایک متعین پیغام ہے۔ ان کے کلام میں بے ساختگی اور بانکپن ہے۔ ان کی زبان صاف و سلیس ہے۔ زبان اور فن کے لحاظ سے تو ان کی رباعیات ایک بلند درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن خیالات کے اعتبار سے بھی وہ منفرد مقام کے مالک ہیں۔ ان کا اندازِ بیان نہایت اچھوتا ہے۔

"افق در افق" کا مسودہ پریس کو بھجوانے سے قبل صاحبؔ نے از راہِ عقیدت جذبؔ عالمپوری سے خواہش کی کہ وہ رباعیات کا انتخاب کریں۔ جذبؔ نے انتقال سے صرف چار روز قبل اسے یہ لکھ کر واپس کیا "آپ کی رباعیات کو میں نے دیکھا ہے۔ سب رباعیات اچھی ہیں۔ ان میں کسی انتخاب کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خود اگر چاہیں، تو کم کر سکتے ہیں۔ آپ کی طبیعت رباعی میں سلجھ گئی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر رباعیاں کہتے ہیں آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں۔" جذبؔ عالمپوری ۲۴ر ستمبر ۱۹۷۳ء "یہ ایک بلند پایہ رباعی گو شاعر کی قدردانی ہے اور اس کو ہر حیثیت سے "حرفِ آخر" قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک کہنہ مشق رباعی گو شاعر کا یہ کہنا کہ آپ کی طبیعت رباعی میں سلجھ گئی ہے"۔ بحیثیت رباعی گو شاعر صاحبؔ کے مقام کو متعین کرتا ہے۔

امید کہ ولا اکیڈمی کی یہ پیش کش قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔

نئی دہلی۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۷۴ء — حسن الدین احمد صدر ولا اکیڈمی

سخنہائے گفتنی

"سخن در سخن" پر صاحبانِ نظر کے اظہار پسندیدگی نے میری ہمت افزائی کی۔ نتیجہ کے طور پر مجھے اپنا دوسرا مجموعۂ رباعیات "افق در افق" چھپوانے کی جسارت ہوئی۔ "سخن در سخن" پر جن کرم فرماؤں نے مجھے میری غلطیوں پر متوجہ کیا تھا میں ان کا بھی ممنون ہوں، اس سے میری اصلاح ہوئی اور شاید "افق در افق" میں ایسے اغلاط کا اعادہ کم ملے۔ بعض حضرات نے رباعیات کو موضوع کے لحاظ سے ترتیب دینے کا مشورہ دیا تھا بعض نے ہر رباعی پر تاریخ درج کرنے کی خواہش کی تھی تاکہ ناقدین کو شاعر کے ارتقائی منازل کے متعین کرنے میں مدد ملے۔ تا بحد امکاں اِن ارشادات کی تعمیل کی گئی ہے ——— جناب جذب عالمپوری جنہوں نے "سخن در سخن" کی رباعیات کا انتخاب فرمایا تھا اور جناب میر ثامن علی صاحب نیساں جن سے میں مشورۂ سخن کیا کرتا تھا افسوس کہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اب میں ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوں۔ دونوں کی موت میں بمشکل ایک ماہ کا تفاوت رہا۔ اللہ ان بزرگوں کی روح کو سکوں نصیب کرے۔ آمین

"افق در افق" میں جو رباعیات چھپی ہیں وہ ۲ جنوری ۱۹۷۲ء اور ۸ اپریل ۱۹۷۴ء کے درمیاں کہی گئی ہیں۔ اولاً میں نے صرف ۲۰۲ رباعیات کا انتخاب چھپوانے کا قصد کیا تھا مگر وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اسمیں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اب ۴۵۴ رباعیات چھپی ہیں "سخن در سخن" میں ۳۳۲ رباعیاں چھپی تھیں اسطرح کل ۷۸۶ رباعیات ہوئیں جو بسم اللہ الرحمان الرحیم کے اعداد کے برابر ہیں۔

عمدہ کاغذ کی عدم دستیابی اور گرانی کے سبب "افق در افق" "سخن در سخن" کے برابر دیدہ زیب تو نہیں ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام کے اعتبار سے اس سے بہتر ہے یا کمتر۔ اس کا تصفیہ قارئین کرام فرمائیں گے ——— میں ان تمام احباب اور مخلصین خصوصیت کیساتھ، جناب نواب حسن الدین احمد صاحب صدر ولا اکیڈیمی، جناب سید معز الدین صاحب معز الملتانی جناب بزمی فدائی صاحب جناب مرزا حبیب علی صاحب حبیب، جناب قمر عابدی صاحب جناب بسرائے وہمی صاحب جناب خواجہ عبد العلی صدیقی تسنیقی صاحب، جناب احمد علی صاحب شباب جلیلی اور جناب خلیل احمد صاحب قریشی کا بیحد ممنوں ہوں جنہوں نے اس مجموعہ کی اشاعت میں کسی نہ کسی عنواں سے میرے ساتھ تعاون عمل فرمایا۔ فقط

صاحب حیدر آبادی

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقل و خرد و شعور دینے والے
غم میں دل کو سرور دینے والے
اپنے جلوؤں کو مجھ پہ ارزاں کر دے
میری آنکھوں کو نور دینے والے

مصحف پہ ہزار نکتہ دانی صدقے　　۲ / ۱-۲-۷۲ء
صورت پہ ہزار نقشِ مانی صدقے
اک خالِ رُخِ خیرِ بشر پہ صاحبؔ
ادراکِ بشر کی ہمہ دانی صدقے

ہر غنچے کے دل کی بات دے دے مجھکو　　۲۴ / ۱-۲-۷۲ء
گم جسمیں ہے کائنات دے دے مجھکو
بجلی کی چمک اور مہک پھولوں کی
یارب ایسی حیات دے دے مجھکو

اک عالمِ بے سراب پیدا کر دے　　۲۰ / ۲-۲-۷۲ء
قطرے میں گہر کی آب پیدا کر دے
اے حسنِ ازل کوئی کرشمہ دکھلا
ہر ذرّے میں آفتاب پیدا کر دے

۲۴/۲-۷۲ء

اس طور کا کوئی ڈھنگ پیدا کر دے
پارس سا ہر ایک سنگ پیدا کر دے
یونس نکل آئیں شکمِ ماہی سے
وہ بحرِ لہو ترنگ پیدا کر دے

۵/۳-۷۲ء

غفلت میں رہے روزِ جزا کو بھولے
دنیا میں قدم رکھ کے خدا کو بھولے
اس بھول بھلیاں کا بُرا ہو صاحبؔ
دشمن کے ہیں ساتھ آشنا کو بھولے

۸/۴-۷۲ء

ممکن نہیں جا کے اُس سے اس سے مانگوں
مُنہ پھیر لیا کرتا ہے جس سے مانگوں
میں تیرا گدا اور تو میرا مولا
تجھ سے بھی نہ مانگوں میں تو کس سے مانگوں

۹/۴-۷۲ء

بیداریٔ شب کی آہ وزاری اچھی
سجدوں میں تڑپتی بے قراری اچھی
شبنم سے وضو کرتا ہے پتّا پتّا
ہنگامِ سحر کی اشکباری اچھی

۱۶/۴-۷۲ء

سو رنگ سے تدبیر کو الٹا پلٹا
مٹتا نہیں تقدیر کا اپنی لکھّا
وقت آنے پہ اسباب بھی بن جائیں گے
بے حکمِ خُدا کے نہیں ہلتا پتّا

۱۹/۴-۷۲ء

ہے صاف یہ بات اس میں نہیں کوئی راز
مظلوم کا ہوتا ہے خدا خود دمساز
ظالم کو ڈھیلی ڈوری دیجاتی ہے
اللہ کی لاٹھی میں نہیں ہے آواز

تدبیر کی بے بال و پری بھی دیکھی ۵/۱-۲-۷۶ء
تقدیر کی بیدادگری بھی دیکھی
چوکے ہوئے ہر ایک نشانے کی طرح
تاثیرِ دعائے سحری بھی دیکھی

فرقت نے بھرائے ہیں وہ پھیرے مجھکو ۵/۱-۲-۷۶ء
ہر وقت بلائیں رہیں گھیرے مجھکو
اے نورِ تجلّیٔ رُخِ انور دکھلا
رہ رہ کے ڈراتے ہیں اندھیرے مجھکو

اللہ سے لو باعثِ آرام بھی ہے ۵/۲-۲-۷۶ء
دنیا کی طلب جس کا ہوس نام بھی ہے
دونوں ہی بسے دل میں پڑوسی بن کر
ہوتی ہے جہاں صبح وہاں شام بھی ہے

۱۱/۶-۶۲ء

اس کاہلی کو شباب میں تو چھوڑو
گستاخی خدا کے باب میں تو چھوڑو
ظالم کو مسلط کیا سر پر لاکر
بے راہ روی عذاب میں تو چھوڑو

۱۶/۶-۶۲ء

نکلی ہوئی اک دل سے دعا کافی ہے
پیغام رسانی کو صبا کافی ہے
کاہن کو مبارک رہے بت خانۂ چین
صاحب کے لئے ذاتِ خدا کافی ہے

۲۴/۶-۶۲ء

شعلے میں لپک، برق میں خو تیری ہے
ہر جلوۂ تاباں میں نمو تیری ہے
رنگت ہے نمایاں تری شاخِ گل سے
ہر گل کے پیرہن میں بُو تیری ہے

۲۴ ۷۲-۶ء صورت میں بھی تو ہے اور سیرت میں بھی تو
فطرت میں بھی تو اور جبلت میں بھی تو
میں کیا ہوں بس اک آئینۂ عکس نما
خلوت میں بھی تو ہے اور جلوت میں بھی تو

۲۳ ۷۲-۶ء پابندِ سلاسل ہوں اثر یہ بھی ہے
پرکار کے نقطے کا سفر یہ بھی ہے
جب سر میں نمودار ہوئے موئے سفید
لے مانگ دعا وقتِ سحر یہ بھی ہے (ماخوذ)

۲۵ ۷۲-۷ء فیاضیٔ قدرت کی نشانی ہے وہی
ذروں میں نمو ابر میں پانی ہے وہی
گلچیں نے ہزار بار لوٹا لیکن
اس باغ میں پھولوں کی جوانی ہے وہی

۱۸/۳-۲-۷۲ء

ہر روز نیا غم ہے رسولِ اکرم
اشکوں سے ہے تکیہ نم رسولِ اکرم
یہ عالمِ اضطراب کب تک مولا
"فرمایئے اب کرم رسولِ اکرم"

۱۸/۳-۲-۷۲ء

دریائے کرم آیۂ رحمت سرکارؐ
سرچشمۂ اخلاق و مروت سرکارؐ
اُمت ہے گرفتارِ مصیبت آقا
ہے چشمِ عنایت کی ضرورت سرکارؐ

۱۸/۳-۲-۷۲ء

بے تاب ہوں اے پیکِ خجستہ فرجام
دل خون ہے اور آنکھ چھلکتا ہوا جام
اے بادِ صبا میری طرف سے پہنچا
دربارِ مدینہ میں درود اور سلام

برہم ہی نظر آتی ہے بزمِ تمثیل ۱۲/۴-۶۳
ہوتی نہیں تکمیلِ ضرورت کی سبیل
ہر سمت نظر آتے ہیں ننگے بھوکے
اللہ بھی کیا آج نہیں ان کا کفیل

ملتے ہیں کہاں صبر و رضا کے بندے ۲/۵-۶۳
ہیں حرص کے بندے بھی خدا کے بندے
دم بھر کے لئے سانس اگر رک جائے
کھل جائے کہ ہم سب ہیں ہوا کے بندے

پھیلائے رہیں ہاتھ سوالی کب تک ۳۰/۶-۶۳
کشکولِ گدائی رہے خالی کب تک
فردائے قیامت پہ ہے وعدہ تیرا
یہ جنتِ فردوسِ خیالی کب تک؟

بخشا ہے تیرے عشق نے داغِ روشن ۹/۷-۳۷ء
دل سینے میں ہے مثلِ چراغِ روشن
گر تیرا کرم ہو یدِ بیضا بن جائے
رکھ میری ہتھیلی پہ ایاغِ روشن

گر تیری عنایت کی نظر ہو جائے ۲۴/۱۲-۳۷ء
کانٹوں کی بھی پھولوں میں بسر ہو جائے
وہ سوزِ دروں بخش دے، دینے والے
میں آہ بھروں اور سحر ہو جائے

بے مہر سے جس نے آشنائی کی ہے ۲۲/۷-۳۷ء
طالع نے اسی سے کج ادائی کی ہے
اس شانِ کریمی کے میں صدقے یا رب
دنیا میں بتوں نے کبریائی کی ہے

کھچتی نہیں تصویر مرے خوابوں کی ۲۲/۷-۳-۶۷ء
ملتی نہیں تعبیر مرے خوابوں کی
تو چاہے تو ہر خواب حقیقت بن جائے
چمکے ابھی تقدیر مرے خوابوں کی

ہے نور فشاں ماہِ تمامِ معراج ۳/۸-۳-۶۷ء
ہیں کتنے منور در و بامِ معراج
مشتاقِ ملاقات تھے دو دل صاحبؔ
کرتے ہیں ملاقات بہ نامِ معراج

ہیں احمدؐ مختار کے دلبر حیدرؓ ۳/۸-۳-۶۷ء
ہیں باغ رسالت کے گُلِ تر حیدرؓ
اس راہ کے صدقے دل و جاں صاحبؔ
جس راہِ طریقت کے ہیں رہبر حیدرؓ

کیا پوچھتے ہو شانِ جنابِ خواجہ ۳/۸-۳-۶۷ء
اک در ہے قبولیت کا بابِ خواجہ
دربارِ رسالت کی طرف سے صاحب
بھارت کے لئے ہے اِنتخابِ خواجہ

مشکل میں ہوں اے آہِ رسا کیا مانگوں ۸/۸-۳-۷
ارمان بھرے دل کے سوا کیا مانگوں
کس منہ سے کہوں یہ کہ تلافی کر دے
مالک ہے دیت اس سے بھلا کیا مانگوں

یارب بوسیلۂ رسولِ مقبول ۱۹/۸-۳-۶۷ء
دل کی ہے تمنا ہوں دعائیں مقبول
محتاج ہوں امید کرم رکھتا ہوں
نذرانہ مرے اشکوں کا ہو جائے قبول

اک بندۂ ناچیز و حقیر آیا ہے ۲/۹-۷۳ء
رنج و محن و غم کا اسیر آیا ہے
اے شاہِ مدینہ اسکی جھولی بھر دے
تیرے درِ دولت پہ فقیر آیا ہے

یارب ہو مدینے میں ٹھکانا میرا ۱۲/۱۲-۷۳ء
اُٹھ جائے وہیں سے آب و دانہ میرا
رضواں کے مقدر کو بھی رشک آجائے
سرکار کے پائیں ہو سرہانا میرا

ارمانوں کے پھولوں کا چمن لایا ہوں ۲/۹-۷۴ء
مٹّی میں ملانے کو یہ تن لایا ہوں
احرام کے پردے میں مدینے والے
آتے ہوئے ساتھ اپنے کفن لایا ہوں

۳۰-۹-۶۷۳
ہر روز نئے نئے ستم ہیں میں ہوں
اللہ کے افضال و کرم ہیں میں ہوں
کوتاہ نظر میری خرابی پہ نہ جا
سرکارِ دو عالم کے قدم ہیں میں ہوں

۲۵-۱۰-۶۷۳
دارین کی یارب مجھے دے دے دولت
دے چین مرے جسم کو جاں کو راحت
دم میرا نکل جائے نبیؐ کے در پہ
رہ جائے نہ دل کی کوئی دل میں حسرت

۲۵-۱۰-۷۳
کب اور کوئی تیرے سوا میرا ہے
تو ہر دوسرا میں آسرا میرا ہے
احمدؐ سے سرِ مو نہیں اللہ جدا
پھر اسمیں غلط کیا ہے خدا میرا ہے

تقصیر نہیں میری یہ تقصیر کہاں ۲۶/۱۰-۳-۶۷
یہ جرم مگر لائقِ تعزیر کہاں
کچھ تو ہی بتا لوحِ جبیں کے کاتب
آیاتِ جبیں کی ملے تفسیر کہاں

جاں لب پہ ہے اور آنکھ تمنائی ہے ۲۶/۱۰-۳-۶۷
سکرات ہے اور آپ کا شیدائی ہے
ہوں آپ تو ہے منزلِ دشوار آساں
ہرکارہ مرے وقتِ مسیحائی ہے

جب خاتمۂ کاوش و کد آ پہنچا ۲۶/۱۰-۳-۶۷
راہیٔ عدم تا بہ لحد آ پہنچا
یا شیخِ ابو نصر مدد کا ہے وقت
آ جاؤ کہ اب وقتِ مدد آ پہنچا

۲۸/۱۰-۳-۷۳ء
آہوں سے نہ کچھ گریۂ شب سے ہوگا
کیا کاوش و رنج بے سبب سے ہوگا
وہ چاہے تو پل بھر کی نہیں لگتی دیر
ہونا ہوگا کسی بھی ڈھب سے ہوگا

۲۸/۱۰-۳-۷۳ء
نبیوں کا طریقہ بھی نبی خاموشی
اثبات بھی ہے اور نفی خاموشی
خاموشی میں اک لذتِ گفتار بھی ہے
بکواس سے سَو بار بھلی خاموشی

۲۰/۱۱-۳-۷۳ء
ہوں دنگ ہے کیا رنگ ترے کوچے کا
ہے فرش بھی اورنگ ترے کوچے کا
میں آکے یہاں خاک سے اکسیر بنا
پارس ہے مجھے سنگ ترے کوچے کا

۲۱ ۱۱-۳-۶۷ء اس خاطر برگشتہ کی تسکیں کر دے
ہر تارِ نفس کو عطر آگیں کر دے
مل جائے گا مجھکو جو بھی مانگوں اے دوست
تو میری دعا پہ دل سے آمیں کر دے

۱۲ ۱۱-۳-۶۷ء فکروں سے دو عالم کی رہا فرما دے
وعدہ جو کیا اس کو وفا فرما دے
نصرت ہے ابو نصر ترے گھر کی کنیز
صدقہ ترا صاحب کو عطا فرما دے

۲۱ ۱۱-۳-۶۷ء بیڑا ہو مرا پار مری عرض سنو
ہوں آپ کا بیمار میری عرض سنو
در سے شہِ والا کے ہے نسبت محکم
خادم ہوں میں سرکار مری عرض سنو

۲۱/۱۱-۳-۶۷ تاریک مرا دن ہے تو شب روشن ہے
اشکوں کے چراغوں کے سبب روشن ہے
ابتک تو اسی حال میں گذری یارب
جس حال میں ہوں تجھ پہ تو سب روشن ہے

۲۵/۱۱-۳-۶۷

ہے زشتِ عمل سے شرمساری مجھکو
خود اپنی نگاہوں میں ہے خواری مجھکو
غفّار سے امیدِ کرم رکھتا ہوں
مایوس نہ کر رحمتِ باری مجھکو

۲۵/۱۱-۳-۶۷ ہے اوجِ کمالِ بیقراری مجھ کو
مل جائے پناہِ ذاتِ باری مجھکو
کیا ذکر ہے دنیا کا یہ منزل وہ ہے
مطلوب ہوئی ہے خود فراری مجھکو

۲۶-۱۱-۷۳ء

یہ مرغِ قفس، طائرِ جاں کس کا ہے
اس فرشِ زمیں پہ آسماں کس کا ہے
ہم کس سے زمانے کا گلہ کرنے جائیں
جز تیرے بتا پھر یہ جہاں کس کا ہے

۵-۱۲-۷۳ء

اس خاک کے پردے سے گلستاں ابھرا
تاثیر ترے کوچے کی اے دوست دکھا
بیٹھا ہوں میں نقشِ کفِ پا کی مانند
خاتم سا نگیں مجھکو بنا کر تو اٹھا

۱۱-۱۲-۷۳ء

ناحق ہی زمانے کو ہوئی کد مجھ سے
دل میں ہے غبار اس کے از حد مجھ سے
ہے عفو و کرم کی مجھ پہ بارش پیہم
گو جرم ہوئے ہزار سرزد مجھ سے

۲۷-۱۱-۷۳ء

محتاج کو تو غنی بنا دیتا ہے
مٹی ہو تو آدمی بنا دیتا ہے
تقدیر بدلتے نہیں لگتی تجھے دیر
بدکار کو جنتی بنا دیتا ہے

۱۱-۱۲-۷۳ء

تکلیف میں یاد آنے والا تو ہے
دینے والا دلانے والا تو ہے
سیدھا رستہ دکھا دے مجھکو یارب
دوزخ سے مجھے بچانے والا تو ہے

۱۹-۱۲-۷۳ء

٭ اب زیست نہیں زیست کا ارماں گھر میں
حاصل ہے ہر اک درد کا درماں گھر میں
تصویر ہے یا آپ ہیں رونق افروز
ایمان کی ہے شمع فروزاں گھر میں

٭ حضرت سید محمدؒ ابو نصر صاحب قبلہ کی تصویر حاصل ہونے پر

٭ اک خلد کے ساماں کا ہے نقشا گھر میں ۱۹-۱۲-۷۳ء
اک ماہِ فروزاں کا ہے ہالہ گھر میں
اک گل ہے شگفتہ کہ شبیہِ اقدس
اک صبحِ درخشاں کا ہے جلوا گھر میں

اے حوصلۂ نعتِ رسولِ مقبول ۲-۱-۷۴ء
لب ہلتے ہیں جھڑنے لگیں لب سے مرے پھول
پہنچوں درِ اقدس پہ لئے چادرِ گل
الفاظ عطا کر مجھے شایانِ رسول

جب سر پہ کوئی تازہ قیامت آئی ۸-۱-۷۴ء
میں نے جانا کہ گھر کے رحمت آئی
صاحبؔ ہے یہی سنّتِ ابراہیمی
نبیوں سے جو حصے میں وراثت آئی

٭ حضرت سید محمد ابونصر صاحب قبلہ کی تصویر بننے پر۔

کس اوج پہ محبوب کا ہوتا ہے نصیب ۸/۱-۷۴ء
سوغات بھی انعام بھی پاتا ہے غریب
صاحب تھی ادائے سرفرازی وہ بھی
منصور کو دار اور عیسٰی کو صلیب

مر کر ہوئے جاوید، محبّت والے ۹/۱-۷۴ء
قربان گئے ذبیحہ فطرت والے
سر دے کے سرافراز ہوئے جو صاحب
دراصل وہی لوگ تھے قسمت والے

مشکل میں سوا ربطِ دعا رکھتے ہیں ۱۹/۱-۷۴ء
یا پیر وسیلہ آپ کا رکھتے ہیں
راتوں کو ہے زاری کہ پلٹ آئیں دن
امید خدا سے ماسوا رکھتے ہیں

کیا چیز ملی تھی جس کو کھو بیٹھے ہیں ۲۰-۱-۴۷ء
جنت کو جہنم میں سمو بیٹھے ہیں
منہ مانگی مراد مفت ہاتھ آئی تھی
اس کو بھی ڈبو چکے ہیں، رو بیٹھے ہیں

بیمار ہوں، جلدی سے شفا دے مولا ۲۱-۱-۴۷ء
تقدیر کو، سورج کی جلا دے مولا
گھٹ کر میں ہلال رہ گیا ہوں باقی
تُو فضل سے پھر بدر بنا دے مولا

ماضی مرا روشن تو بہر حال نہیں ۹-۲-۴۷ء
کل کا کسے عرفان ہے، خوش حال نہیں
کس منہ سے ہو جنت کی تمنا صاحب
دوزخ کے بھی قابل مرے اعمال نہیں

جب عزمِ سفر قبول ہو جاتا ہے — ۱/۳-۴-۶۷ء
وا اُس پہ درِ رسول ہو جاتا ہے
میں جاؤں گا اپنے سر سے چل کر صاحبؔ
اس راہ میں خار پھول ہو جاتا ہے

یہ بھی ہے عطا، جس کو خدا دیتا ہے — ۲۳/۳-۴-۶۷ء
اشکوں کو وہ آب بے بہا دیتا ہے
دھل جاتے ہیں سب داغِ گنہ رونے سے
سیلاب نجاست کو بہا دیتا ہے

آلام ہی سوغات ہیں، آلام انعام — ۲۳/۳-۴-۶۷ء
آلام ہی آغاز ہیں، آلام انجام
رندوں کو میسر مئے عشرت کچھ ہے
خاصانِ خدا کو نہیں ملتا آرام

دے مُہرِ غلامی کا پتہ سجدوں سے ۲۳-۳-۴۷ء
بگڑی ہوئی تقدیر بنا سجدوں سے
اکسیر کی بنیاد اسی خاک میں ہے
قسمت کی سیاہی کو مٹا سجدوں سے

اپنے ہمسائے، اپنے ہی سائے ہیں ۲۳-۳-۴۷ء
پھل اپنے کئے کے آپ ہم پائے ہیں
ملتا ہے مقدّر سے زیادہ نہ تو کم
پاتے ہیں وہی جو کہ لکھالائے ہیں

پانی سے ہواؤں میں نُمو ہوتا ہے ۲۴-۳-۴۷ء
آہوں میں وہی دل کا لہو ہوتا ہے
آنسو جو نہیں خاک ہی منہ پر مل لیں
مٹّی سے تیمم بھی وضو ہوتا ہے

ہمّت کس کی ہے آسرا کس کا ہے ۲۲/۳-۴-۶۷
یہ مال و متاع و زر، ہوا کس کا ہے
سورج کے مقابل میں جلا بھی ہے چراغ
جادو تقدیر پر چلا کس کا ہے

آب و آتش میں جنگ پیدا کر دے ۲۰/۲-۲-۶۷
نغماتِ رباب و چنگ پیدا کر دے
صدقہ دُرِ دنداں کا، لبِ نعلین کا
اشعار میں میرے رنگ پیدا کر دے

دیپک کا کوئی راگ پیدا کر دے ۲۰/۲-۲-۶۷
اور عشق کی دل میں آگ پیدا کر دے
بے لاگ محبّت کا صلہ مل جائے
اس کے دل میں بھی لاگ پیدا کر دے

تلخابۂ گیتی جب کہ سم پر ٹھہری ۳/۱-۳-۶۷
دنیا کی خوشی لذتِ غم پر ٹھہری
اعمالِ بد و نیک کی ہستی کیا ہے
جب بات ترے لطف و کرم پر ٹھہری

اقلیمِ بتاں کی صبح و شام ہے کفر ۲/۱-۲-۶۷
ہے کفر تو کفریاں کا اسلام ہے کفر
ہر آس مری توڑ کے یہ کہتے ہیں
اسلام میں مایوسی کا اک نام ہے کفر

بدمستی میں رفتار بدل جاتی ہے ۲/۱-۲-۶۷
صہبا الفت کی چشم سے اُبل جاتی ہے
چھپتا ہے چاند خاک اڑانے سے کہیں
سچ بات زبان سے نکل جاتی ہے

توفیر خوشی میں آنکھ رو دیتی ہے ۱/۲-۲-۶۲
شدّت ہو اگر غم میں ڈبو دیتی ہے
اسمیں بھی ہے اعتدال لازم ورنہ
نعمت بھی اپنی قدر کھو دیتی ہے

خواب راحت حرام کر لیتا ہوں ۱/۲-۲-۶۲
خود نفس کو اپنے رام کر لیتا ہوں
محنت کا عوض بھیک جو دے دے کوئی
جھک کر اس کو سلام کر لیتا ہوں

بیکار کی باتوں کا اثر لیتا ہوں ۱/۲-۲-۶۲
اک درد سر شام و سحر لیتا ہوں
سچ بات بھلا کس کے پسند آئی ہے
حق گوئی کے الزام کو سر لیتا ہوں

بے نامی میں جیسے نام کر لیتا ہوں ۹/۱-۲-۶۷
ہستی کو علی الدوام کر لیتا ہوں
بیٹھی ہے اُدھار کھائے مجھ پر دنیا
میں جینے کو قرض وام کر لیتا ہوں

گردش اپنی تمام کر لیتا ہوں ۹/۱-۲-۶۷
ہو شام جہاں قیام کر لیتا ہوں
یاں شام کی صبح میرے ہوتی ہی نہیں
سورج کی طرح سے شام کر لیتا ہوں

خوشیوں کو میں اپنی عام کر دیتا ہوں ۹/۱-۲-۶۷
اغیار کو بے مقام کر دیتا ہوں
کرتے ہیں جو وہ کلام مجھ سے صاحب
غم خانے میں دھوم دھام کر دیتا ہوں

جب سوئے فلک نگاہ کر لیتا ہوں ۲۳/۱۰-۲-۶۷
اک نالۂ بے پناہ کر لیتا ہوں
میدان میں جستِ اسپِ تازی کیطرح
منزل کو میں رو براہ کر لیتا ہوں

وہ آتشِ غم ہے کہ بھُنا جاتا ہوں ۲۶/۱-۲-۶۷
وہ بوجھ پڑا ہے کہ دبا جاتا ہوں
اوپر ہے فلک اور زمیں ہے نیچے
دو پاٹوں میں چکّی کی پسا جاتا ہوں

طوفاں میں چٹانوں کا سہارا ہوں میں ۲۶/۱۰-۲-۶۷
زندانی ہوں زنداں کا اجالا ہوں میں
کر پائیں گے کیا سات طبق مجھکو دفن
دھرتی سے اُبلتا ہوا لاوا ہوں میں

۲۶/۱-۷۲
اک قصۂ دل دوز سنا سکتا ہوں
اک نغمۂ پُر سوز سنا سکتا ہوں
سننے کو جگر کوئی کہاں تک لائے
اک دن نہیں ہر روز سنا سکتا ہوں

۹/۴-۷۲
بے مہریٔ دوست کی کہانی ہوں میں
نادیدۂ شہرِ شادمانی ہوں میں
بے صرفہ ہوں جاڑے کی شبنم جیسے
جیسے گلِ صحرا کی جوانی ہوں میں

۲۱/۴-۷۲
عنوان کے بوجھ سے جھکا جاتا ہوں
ارمان کے بوجھ سے جھکا جاتا ہوں
سرنامے کے القاب ہی پڑھ کر صاحب
احسان کے بوجھ سے جھکا جاتا ہوں

سازِ فطرت سے میٹھی دُھن لیتا ہوں ۱/۵-۲-۷۲ء
باغِ الفت سے پھول چن لیتا ہوں
خود اپنی خرد سے نہیں بہتر رہبر
اپنی کرتا ہوں۔ سب کی سن لیتا ہوں

ہیں صبح و مسا بادِ صبا سے باتیں ۲/۶-۲-۷۲ء
کرتا ہوں خیالِ مہ لقا سے باتیں
ہیں سوئے فلک دستِ دعا اے صاحبؔ
دیوانہ ہوں کرتا ہوں ہوا سے باتیں

دیکھا اگر دش کا بھی زمانا ہم نے ۳/۶-۲-۷۲ء
ہر اک سے سُنا غم کا فسانا ہم نے
بنیادِ الم کی جستجو میں صاحبؔ
جانا اتنا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

کب تیغ الم سے میرا دل شق نہ ہوا ۱۶/۶-۲-۷۲
منہ دیکھ کے عبرت کا بھی منہ فق نہ ہوا
دشمن کے موافق ہوا ناحق صاحب
حق یہ ہے کہ حق میرے لئے حق نہ ہوا

اک پل کے لئے چین نہ پاؤں یارو ۱۶/۶-۲-۷۲
آرام نہ ہو جہاں بھی جاؤں یارو
آکاش کے سائے میں ہوں. دھرتی کا بوجھ
کس کس کا میں احسان اٹھاؤں یارو

دم گھٹنے لگا ہے بند رہتے رہتے ۱۶/۶-۲-۷۲
کیا تنگ ہوئے ہیں رنج سہتے سہتے
یا پار اترتے یا تو ہو جاتے غرق
پھرتے ہیں حباب جیسے بہتے بہتے

یادِ رخ گل عذار میں رہتا ہوں ۱۷/۶-۲-۶۷ء
یا مثلِ سپند نار میں رہتا ہوں
تو بھول گیا آنے کا وعدہ کر کے
اور میں ہوں کہ انتظار میں رہتا ہوں

چشم و لب و رخ کی آرزو کافی ہے ۲۱/۶-۲-۶۷ء
یہ جام، یہ صہبا، یہ سبو کافی ہے
کل عالمِ رنگ و بو ہے ہستی تیری
اے دوست مرے واسطے تو کافی ہے

ہوں کاہ مگر کوہ اٹھانے کے لئے ۲۵/۶-۲-۶۷ء
عبرت ہے مری زیست زمانے کے لئے
کیوں یہ غمِ ہجراں نہیں جاتا، ورنہ
دنیا میں جو آیا ہے سو جانے کے لئے (ماخوذ)

ہے ایسی خزاں بہار اِس پر صدقے ۳۰/۶-۶۲ء
یہ جسمِ نحیف و زار اِس پر صدقے
آیا ہے عیادت کو مسیحا، صاحبؔ
کر دو جانِ نزار اِس پر صدقے

پھر بحرِ تلاطم میں سفینا ہوگا ۳۰/۶-۶۲ء
پھر اپنا لہو آپ کو پینا ہوگا
پھر مرگ کی آرزو میں صاحبؔ تم کو
شاید کچھ روز اور جینا ہوگا (ماخوذ)

ان شمعوں سے ہے گورِ غریباں آباد ۲/۷-۶۲ء
دیکھے سے اسے ہے دلِ ویراں آباد
حیدرآباد، وطن ہے مرے محبوبوں کا
یارب رہے یہ شہرِ نگاراں آباد

ہیں پھول یہ دامن میں کہ گلشن پنہاں ۹/۲-۲/۶۷
دل میں ہے چراغِ فکرِ روشن پنہاں
صاحبؔ ہیں ترے شعر جواہر پارے
سینے میں ترے ہے کوئی معدن پنہاں

کس سا کلِ پُر پیچ کا سودائی ہوں ۲۰/۲-۳/۶۷
کس حُسنِ دل افروز کا شیدائی ہوں
آئینۂ دل پشت بدیوار رہا
کس یوسفِ ثانی کا تماشائی ہوں

آنکھوں کو مسرت کی نمی بھی نہ ملی ۲۳/۲-۳/۶۷
غم لاکھ ملے، ایک خوشی بھی نہ ملی
کیا ہم کو ملے گی زیست حسبِ دلخواہ
مرضی کی جہاں موت کبھی بھی نہ ملی

۵-۸-۶۳ء

ہے داغ کو نسبت ترے رخ کے تل سے
جائے گا کہاں نورِ مہِ کامل سے
ممکن ہی نہیں کہ بھول جاؤں تجھکو
مٹتا ہے کہیں نقشِ سویدا دل سے؟

19-۸-۶۳

دل خون ہوا، برگِ حنا کی سوگند
محروم رہا آہِ رسا کی سوگند
پامال ہوا راہِ طلب میں صاحبؔ
مٹتے ہوئے نقشِ کفِ پا کی سوگند

19-۸-۶۳ء

گر کوئی نہ ہو پوچھنے والا، نہ سہی
دنیا مری خاطر تہ و بالا نہ سہی
سائے میں ہو کاکل کے شبِ طولِ حیات
قسمت میں نہ ہو میری اجالا، نہ سہی

ایوب کو تعلیم رضا دیتا ہوں ۲/۹-۳-۶۷
ہر زخم سے قاتل کو دعا دیتا ہوں
اس شوخ سے ملتا نہیں قصداً برسوں
یوں دل کو محبت کی سزا دیتا ہوں

نذرانۂ گلہائے سخن لایا ہوں ۲/۹-۳-۶۷
پھولا ہوا پھولوں کا چمن لایا ہوں
کچھ کہہ کہ جھڑیں پھول دہن سے اے دوست
پھولوں میں بسانے پیرہن لایا ہوں

صد چاک ہے دل تو پھر رفو سے حاصل ۷/۹-۳-۶۷
لایعنی سی کوئی آرزو سے حاصل
حاصل نہیں جس چیز کا دنیا میں کچھ
صاحب اس شئے کی جستجو سے حاصل

دل پاک نہیں تو شست و شو سے حاصل ۶۷-۳-۷/۹
کیا فائدہ سجدے کا وضو سے حاصل
کب خالقِ نغمات ہے ٹوٹا ہوا ساز
خالی جو پڑا ہو، اس سبو سے حاصل؟

مغموم نہ اپنی بے کمالی سے ہوئے ۶۷-۳-۳۰/۹
مایوس نہ اس کی ذاتِ عالی سے ہوئے
پستے ہی رہے برگِ حنا کی صورت
ہم سُرخرو اپنی پائمالی سے ہوئے

جو چاہے سو تیرا یدِ قُدرت دے دے ۶۷-۳-۲۵/۱۰
گر آگ کوئی مانگے نبوت دے دے
دینے کی ترے حد نہیں لیکن مولا
ہر چیز مجھے حسبِ ضرورت دے دے

گریہ کے سبب خاک بسر بیٹھ گیا ۲۵-۷-۶۳ء
دل ڈوب گیا اور جگر بیٹھ گیا
چاہا تھا کہ اٹھ جاؤں ترے کوچے سے
طوفان وہ اٹّھا کہ یہ گھر بیٹھ گیا

اُمیدیں ہزاروں پالتا جاتا ہوں ۳۱-۱۰-۶۳ء
تھکتا ہی نہیں ہوں مانگتا جاتا ہوں
گو آپ نے لاکھ بار ٹالا مجھ کو
ٹلتا ہی نہیں ہیں ٹالتا جاتا ہوں

ہر چند کہ احباب کا شیدا ہوں میں ۸-۱۱-۶۳ء
مخلص ہوں، بہی خواہ بھی اُن کا ہوں میں
ہر یارِ موافق کو مخالف پایا
اللہ رے بخت یہ کیسا ہوں میں

سر پر آئی کبھی تو دل پر گذری ۳۰ / ۱۰-۳-۶۷
اے چرخ کہن قیامت آکر گذری
جتنی چادر تھی پاؤں اتنے پھیلے
جو کچھ گذری ہمارے اوپر گذری

دنیائے دنی تجھ سے کسے مطلب ہے ۹ / ۱۱-۳-۶۷
سورج ہے افق پر کہ اندھیری شب ہے
وہ ساتھ ہے قسمت کا اجالا بن کر
دنیا ہی مری، میرا مہِ نخشب ہے

گلشن کی فضا، بن کی ہوا بگڑی ہے ۲۰ / ۱۱-۳-۶۷
سفاک کی پُرفن کی ہوا بگڑی ہے
جب سے کہ ملا دامنِ دولت ان کا
صاحب مرے دشمن کی ہوا بگڑی ہے

دل میں ترے اے دوست ملال آیا ہے ۲۱-۱۱-۶۳ء
یا یار کی یاری کو زوال آیا ہے
اللہ کی قدرت سے جُڑے گر یہ جُڑے
قدرت کے اس آئینے میں بال آیا ہے

آتا ہی نہیں وہاں سے جو جاتا ہوں ۲۱-۱۱-۶۳ء
کس بحر میں جا کے گم ہو جاتا ہوں
اے گوہرِ شب چراغ مل جا مل جا
پانے کو تجھے آپ ہی کھو جاتا ہوں

سوزِ دلِ دمسازہ پہ سر دھنتا ہوں ۲۴-۱۱-۶۳ء
اس نغمگیِ آوازہ پہ سر دھنتا ہوں
ہر چوٹ ہے سینے کی جو مضراب کی چھیڑ
ٹوٹے ہوئے اس ساز پہ سر دھنتا ہوں

ہر موج سے ساحل کی صدا آئی ہے　۲۴-۱۱-۳۷ء
ہر جادے سے منزل کی صدا آئی ہے
اے سوزِ دروں ان کی زباں پر ڈھل کر
جب آئی مرے دل کی صدا آئی ہے

بے ہوش تری چاہ کچھ آساں تو نہ تھی　۲۴-۱۱-۳۷ء
یہ منزل گم راہ، کچھ آساں تو نہ تھی
کچھ کھیل نہ تھا گھر کو جلا کر جینا
یہ بات بھی اے آہ، کچھ آساں تو نہ تھی

ہر خم نہ کریں گے ہر کسی کے در پر　۷-۳-۴۲ء
کر دیں گے بس اب بس ایک ہی کے در پر
وابستہ رہے ہیں جس کے در سے صاحبؔ
ہم جاں بھی دے دیں گے اسی کے در پر

پھر کوئی نیا ستم نہ ہونے پائے ۲۴/۱۱-۳-۶۷ء
اب اور کوئی الم نہ ہونے پائے
بس اتنا کرم کر کہ گزارا کر لوں
یہ دردِ جگر تو کم نہ ہونے پائے

خوش کوئی ہے، اور کوئی خفا دشمن ہے ۲۵/۱۱-۳-۶۷ء
دشمن کی تو ہر ایک ادا دشمن
تاریکیٔ شب سے ہوا، روشن صاحب
خنجر ہے کھلا اور چھپا دشمن ہے

غم ان کا مسرت ہے، خوشی میری ہے ۲۵/۱۱-۳-۶۷ء
کیا قابل رشک زندگی میری ہے
اشعار ہیں، ساتھ ان کے بیتے لمحات
مرہون کسی کی شاعری میری ہے

۲۵-۱۱-۷۳ء
اک دوست کے التفات نے مارا ہے
اک وصل کی شب برات نے مارا ہے
کیا آبِ حیات میں بھی ہوتا ہے زہر
مجھ کو تو اسی نبات نے مارا ہے

۲۵-۱۱-۷۳ء
اے نغمۂ جاں بادۂ سرجوش میں آیا
لے ماہِ مُبیں ہالۂ آغوش میں آیا
سرگوشی کے انداز میں آئی آواز
"میں ساتھ ہوں دیوانے ذرا ہوش میں آ"

۲۶-۱۱-۷۳ء
کیا نظمِ جہاں الٹ گیا ہے دیکھو
دل چاک ہے سینہ پھٹ گیا ہے دیکھو
گل ہی کا گریبان نہیں ہے صد تار
غنچے کا جگر بھی کٹ گیا ہے دیکھو

کیا رنگِ چمن بگڑ گیا ہے افسوس ۲۶-۱۱-۴۳ء
کیا قحط رجال پڑ گیا ہے افسوس
ہے ارضِ دکن بھی ایک عبرت کا مقام
کیا باغ ہرا اجڑ گیا ہے افسوس!

ہیں رہنِ صدا النیاس ہو جاتا ہوں ۲۶-۱۱-۴۳ء
پھر صیدِ زبونِ یاس ہو جاتا ہوں
یہ فصلِ بہار اور یہ رنگ چمن
جب دیکھتا ہوں اداس ہو جاتا ہوں

اک پیکرِ درد و کرب ہو جاتا ہوں ۷-۳-۴۲ء
مفلس کی طرح سے زرد ہو جاتا ہوں
وہ گرمیٔ بزمِ لالہ رُدیاں اے آہ!
شعلہ کی طرح سے سرد ہو جاتا ہوں

۲۶/۱۱-۷۳ء

دل سینے میں پتھر کے قدم پتھر کے
دنیا کے ہیں سب دیر و حرم پتھر کے
اللہ ترے بندے کہاں سر پھوڑیں
گر تو نہ سُنے پھر ہیں صنم پتھر کے

۲۹/۱۱-۷۳ء

منصف نہیں گر تو تری عزت کیا ہے
دنیا کی خذف ریزوں سے زینت کیا ہے
دامے، درمے، گامے، مددگار نہیں
پھر تیری زمانے کو ضرورت کیا ہے؟

۲۹/۱۱-۷۳ء

حاصل ہیں اگر نقص کے، کامل کب ہیں
الماس کے بلور مقابل کب ہیں
صحبت سے کمینوں کی حذر لازم ہے
دنیا میں سبھی ملنے کے قابل کب ہیں

۱۱-۳۰ ۶۳ء یارانِ سبو ہیں پیٹھ پیچھے کچھ اور
کچھ اور دوبدو ہیں پیٹھ پیچھے کچھ اور
حد یہ ہے کہ آئینے میں دو رنگی ہے
یہ آئینہ رو ہیں پیٹھ پیچھے کچھ اور

۱۲-۵ ۶۳ء چبھ کر کوئی کب تیرِ جفا نکلا ہے
جو چوک گیا بن کے قضا نکلا ہے
چاہا تھا جسے جان سے بڑھکر صاحب
وہ جان سے بڑھ کے بیوفا نکلا ہے

۱۲-۹ ۶۳ء کیا عشق ہے کیسی چاہ کی ہے تونے
اے آہ کہ قطع راہ کی ہے تونے
کی عمر نے کب ہم سے دغا جیتے جی
اتنی بھی کہاں بناہ کی ہے تونے

۱۱/۱۲-۶۳ء خود ہو کے ہم ان سے ملنے جائیں تو کیا
گھر کی کسی تقریب میں بلوائیں تو کیا
منظور نہیں دل سے انہیں کوئی بات
آئیں بھی تو کیا، اگر نہ آئیں تو کیا؟

۱۱/۱۲-۶۳ء کچھ کام نہ آیا نام جپنا اپنا
سپنے ہی دکھا یا کیا سپنا اپنا
مُو اپنے سیاہ تھے سفید ہوئے
ہے شام و سحر میں دخل اِتنا اپنا

۱۲/۱۲-۶۳ء سر رشتۂ گنجینۂ گوہر نہ کھُلا
اے رازِ محبت ترا جوہر نہ کھُلا
گھیرے ہی رہیں غم کی گھٹائیں دل کو
یہ ابر جو چھایا تو برس کر نہ کھُلا

۱۲-۱۲-۴۳ء

پیری میں جوانی کا سا کس بل دینا
محنت کا ثمر، صبر کا کچھ پھل دینا
تجھکو خمِ ابرو، خمِ گیسو کی قسم
اب چھوڑ دے قسمت کو مری بل دینا

۱۲-۱۲-۴۳ء

بالغ نظری ہوتی ہے صاحب جن میں
رکھتے ہیں اجالا بھی وہ کچھ باطن میں
دو روز قیام اور یہ تعمیرِ دوام
دیوانہ ہے جو شمع جلائے دن میں

۱۹-۱۲-۴۳ء

٭ اے یار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن
بیکار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن
اک شعلہ سا اُٹھے گا بھڑک کر پھر بھی
ناچار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن

٭ یہ رباعی ایمان کی ایک رُباعی دیکھکر ہوئی۔

۱۹-۱۱-۴۳ء
وہ جوشِ جوانی ہے نہ جامِ مُل ہے
وہ چاندنی راتیں ہیں نہ سیرِ گُل ہے
ملنے بھی نہ پائے تھے جدائی ٹھہری
اک عمر ہوئی چراغِ عشرت گُل ہے

۱۹-۱۲-۴۳ء
اے یار جہان میں کچھ نہ پایا ہم نے
دے یار، جہاں میں کچھ نہ پایا ہم نے
تھی جان سو قدموں پہ نچھاور کردی
لے یار، جہاں میں کچھ نہ پایا ہم نے ٭

۱۹-۱۲-۴۳ء
آنکھوں میں نہ وہ رمش ملاقات کی بات
دل کی نہ وہ دھڑکن نہ نفس کی سوغات
کب حشر سے کم ہے انقلابِ دوراں
ملتا ہے نہ دل دل سے نہ اب ہاتھ سے ہات

٭ یہ رُباعی اسیرؔ کی ایک رباعی دیکھکر ہوئی۔

دم بھر میں دمِ سرد ہوا ہو جائے ۲۹-۱۲-۶۳ء
ہر حال میں راضی برضا ہو جائے
دل قلزمِ خوں بن کے سکوں پاتا ہے
لبریز ہو خُم تو بے صدا ہو جائے

سائے کی طرح وہ رات ہم سے چھُوٹے ۸-۱-۶۳ء
تقدیر نہ اس طور کسی کی پھُوٹے
اشک آنکھوں سے مثلِ دُرِ غلطاں نکلے
افسوس گہر حباب بن کر ٹوٹے

خود سے بھی الگ جدا ہوا ہوں میں ۸-۱-۶۴ء
جینا ہے یہی تو جی رہا ہوں میں
دامن کو جھٹک کے چل دیا ہے کوئی
اک تودۂ خاک بن گیا ہوں میں

اس زیست کے جنجال پہ رونا آیا ۹-۱-۴۷ء
احوالِ زبوں حال پہ رونا آیا
کیا تجھ سے کہوں بھولنے والے میرے
کیوں پرسشِ احوال پہ رونا آیا

وہ خانہ خراب و خانہ ویراں ہوں میں ۱۹-۱-۴۷ء
خود ایک معمہ ہوں جیستاں ہوں میں
آشفتہ تری زلف ہے جیسے دمِ خواب
پہلو میں ہوں اسیر بھی پریشاں ہوں میں سعدی (دلخواہ)

یہ دہر ہے یہ ہے انقلابِ دنیا ۲۰-۱-۴۷ء
جو باغ ہرا تھا بن گیا ہے صحرا
یا ہاتھ میں ہاتھ دے پھرتے تھے
یا ہاتھ ہی اٹھتا نہیں اب بہرِ دعا

اس جاں کو تصدّق کروں تجھ پر سو بار ۲۲/۱-۴-۶۷
وہ بھی ہو عزیز تو ہو کیونکر اے یار
ہے خانۂ دل میں ایک کی گنجائش
اک میان میں رہ سکتے نہیں دو تلوار (ماخوذ از۔ سعدی)

مہکی ہے ترے چاہِ ذقن کی خوشبو ۲۲/۱-۴-۶۷
آواز میں ڈوبی ہے دہن کی خوشبو
پیراہنِ یوسف ہے مجھے بُو تیری
گویا دمِ عیسٰی ہے بدن کی خوشبو

دنیا سے الگ ہے اس چمن کی خوشبو ۲۶/۱-۴-۶۷
اس خاک میں ہے مشکِ ختن کی خوشبو
آداب ہوں اخلاق ہوں، مہمانی ہو
ہر ملک میں پھیلی ہے دکن کی خوشبو

۱۲-۲-۴۷ء
تھے صاحبِ حال و قال کیسے کیسے
شاعر ہوئے باکمال کیسے کیسے
اے خاکِ دکن سرمۂ چشمِ صاحب
تو نے اُگلے ہیں لعل کیسے کیسے

۲-۳-۴۷ء
وہ جم نہیں، دارا وہ نہیں کے ہی نہیں
اب ساز کی وہ دھن نہیں وہ لے ہی نہیں
مطرب بھی ہے ساقی بھی ہے، مے نوش بھی ہیں
اگلا سا نشہ اگلی سی وہ مے ہی نہیں

۱۲-۲-۴۷ء
آئینے کی کوئی ایک صورت ہوگی
یا ہوگی جلا، یا تو کدورت ہوگی
یعنی ہے تمنّا کا ہوس دوسرا نام
ارمان نہ ہوں گے جو محبت ہوگی (ماخوذ از نظیری)

یوں مفت کسی کے ہم جو ہو بیٹھے ہیں ۱۲-۲-۴۷ء
ملنے ہی سے ان کے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں
نذرِ دل و جاں دے کے ہیں محتاجِ نظر
مال اپنی گرہ سے آپ کھو بیٹھے ہیں

آتی ہیں بہاریں تو شراب آتی ہے ۲۳-۲-۴۷ء
اشکوں میں چھلکتی مئے ناب آتی ہے
ہر دم ہی میں جھلتا ہوں نفس کا پنکھا
سانسوں میں مری بوئے کباب آتی ہے

جم ہی مرے ہاتھوں میں تھما دے ساقی ۲۳-۲-۴۷ء
ساغر مہ و انجم کے بنا دے ساقی
ان صدیوں کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کی قسم
پیاسا ہوں مری پیاس بجھا دے ساقی

دورِ مہ و خورشید چلا دے ساقی ۲۵-۲-۴۲ء
صہبائے مسرت سے چھکا دے ساقی
صحرا کی طرح کام و دہن جلتے ہیں
دے آبِ دہن آگ بجھا دے ساقی

وہ ہار چکے تھے بازی جیتے کب تھے ۲۴-۲-۴۲ء
جو دن کہ جدائی کے تھے بیتے کب تھے
دو جگ ہوئے دونوں کو ڈسا مارِ اجل
جیتے تھے مگر اصل میں جیتے کب تھے؟

ناشاد رہے، غم میں اگر شاد نہیں ۹-۳-۴۲ء
جب تک نہ لٹے لائقِ امداد نہیں
مٹّی میں ملا تخم شجر بنتا ہے
صاحبؔ تجھے جینے کی ادا یاد نہیں

۲۳-۳-۴۷ء
قیمت نہ اٹھے جس کی وہ گھر ہوتا ہے
یا اک پرِ کاہ شکلِ زر ہوتا ہے
وہ شمع جو بے نور ہو ہنگامِ سحر
یہ اشک وہ بے آب گہر ہوتا ہے

۲۴-۳-۴۷ء
بشر راہِ ازل سے منہ موڑ لیا
نو رُستہ جہاں سے رابطہ جوڑ لیا
عفریتِ جدیدیت نے مارا وہ زور
اللہِ قدیم سے راستہ توڑ لیا

۲۵-۳-۴۷ء
کانٹوں سے گلستاں کا بچا نا معلوم
اس باغ میں اپنا بار رہا نا معلوم
کیا گردشِ افلاک پہ قابو صاحبؔ
پیمانے کا اب دور میں آنا معلوم

۲۵/۳-۴۷ء
کب اپنا رہا پتہ ٹھکانا معلوم
بے فیض جہاں سے فیض پایا نا معلوم
آئے بھی دبے پاؤں، دبے پاؤں گئے
آنا معلوم تھا نہ جانا معلوم

۲۵/۳-۴۷ء
احساس کے دو نام ہیں اوج و پستی
سر بار نہ تھا دیتے اگر مستی
ہر روز ہی اک قلزمِ خوں سے گذرے
ہموار نہیں آج بھی راہِ ہستی

۲۴/۳-۴۷ء
وہ عالمِ بیتابی ہے جی چھوٹ نہ جائے
دامن ترا ہاتھوں سے کہیں چھوٹ نہ جائے
اے تابشِ جلوہ تابِ نظارہ دے
اثمار کی کثرت سے شجر ٹوٹ نہ جائے

جلتے ہوئے جنگل کو بجھایا نہ گیا ۴/۳-۲-۷۲ء
محصور رہے رات میں سایا نہ گیا
شاداں تھے تصور میں نہ کیا کیا صاحب
غم خانے میں اپنے کوئی آیا نہ گیا

گلشن کو بہاروں نے دیے گل بوٹے ۴/۳-۲-۷۲ء
دل اپنا شکستہ جام ٹوٹے پھوٹے
یاد آگیا وہ سرِ چراغاں صاحب
وہ آگ لگی، ٹھنڈے پسینے چھوٹے

تھے عہد جو بیکار تو وعدے جھوٹے ۴/۳-۲-۷۲ء
ٹوٹی ہے جو آس آنکھ سے چشمے پھوٹے
سادہ تھے مری کتابِ دل کے اوراق
کچھ نقش ابھر آئے جو تارے ٹوٹے

پھیلا ہے بہت آگے طلبگار کا ہاتھ ۳-۵-۴۲ء
احساس سخی کا اور نادار کا ہاتھ
دشمن کا نہ پایا گیا اس میں کچھ دخل
آتا ہے نظر صاف مرے یار کا ہاتھ

ہر سانس کے پردے میں نہاں بھی تو ہے ۳-۵-۴۲ء
جس سمت بھی جاتا ہوں وہاں بھی تو ہے
میں تجھکو تو ساتھ اپنے لئے پھرتا ہوں
جا میری ہی خالی ہے جہاں بھی تو ہے!

آوردہ بھلا ہو آفریدہ کیسے ۳-۷-۴۲ء
ہو سرو سا قد خطِ کشیدہ کیسے
یوسف کو سنا، تجھکو مگر دیکھا ہے
دیدہ کے برابر ہو شنیدہ کیسے (ماخوذ)

رشکِ فردوس ہے تمہاری دنیا ۲۶/۳-۷۲ء
ہم خاک ہیں اور خاک ہماری دنیا
گلزار میں تنکے کے برابر بھی نہیں
کہنے کے لئے بڑی ہے ساری دنیا

باطل ہے طلسمات جہاں کا چھُو ہے ۱۰/۳-۷۳ء
گر غور کروگے تو گھڑی میں ھُو ہے
مردود ہے مردار ہے دنیا صاحب
مردود کے مردار کے منہ پر تھُو ہے

اخلاص کا جب ظہور دیکھا ہم نے ۲۷/۱-۷۲ء
بے لوث سا ایک نور دیکھا ہم نے
یہ ساری صفات خاکساری کی ہیں
نیچا ہر پُر غرور دیکھا ہم نے

شبنم سے ہوئی ہے گُلِ تر کی خاطر ۲۰/۲-۲-۷ء
زخموں سے ہوئی اہلِ نظر کی خاطر
کی فکرِ سخن جلا کے خونِ دل کو
اِس طرح سے کی ہم نے ہنر کی خاطر

ہو جاتی ہے صبح و شام ہونے کیلئے ۲۰/۲-۲-۷ء
جو چیز ملی، ملی ہے کھونے کیلئے
دل سینے میں اک ماہیٔ بے آب ملا
آنکھوں کے سمندر ہیں ڈبونے کیلئے

جل اٹھی ہے صہبائے کہن کی خاطر ۲۰/۲-۲-۷ء
صدمے ہیں یہاں جاں پہ تن کی خاطر
نیلام پہ گلشن کو چڑھانے والو
پیاری ہے کسے اپنے چمن کی خاطر؟

نوع طرح کے رنگ آدمی کے بدلے ۲۹-۲-۷۲ء
ملتے ہیں یہاں رنج خوشی کے بدلے
نیکی سے جواب دے سکو تو بہتر
جو بد ہیں وہ پالیں گے بدی کے بدلے

انسان کا بھی مول کہیں ہوتا ہے ۲۹-۲-۷۲ء
اخلاص کا بھی تول کہیں ہوتا ہے
اپنے سے ہر اک کو کم سمجھنے والو
اونچا یہ بڑا بول کہیں ہوتا ہے؟

وہ درد کہاں جذبۂ احساس کہاں ۲۹-۲-۷۲ء
وہ خلق و مروّت اور وہ پاس کہاں
کیا ڈھونڈھ رہے ہو صاحبِ عطر انفاس
اب مُشکِ ختن میں بھی وہ بُو باس کہاں؟

ممکن نہیں میداں سے پلٹ جائیں گے ۴ ۳-۲-۷۲ء
باطل کے مقابلے میں ڈٹ جائیں گے
جب سر کو کفن باندھ کے نکلیں گے ہم
الٹیں گے صفوں کو یا تو کٹ جائیں گے

کچھ قدر تو ہوتی آدمی کی دل میں ۵ ۳-۲-۷۲ء
کچھ قدر تو ہوتی دوستی کی دل میں
اے کاش مرے سینے میں پتھر ہوتا
الفت نہ ہوئی ہوتی کسی کی دل میں

خوں کو کھولاتے کڑکڑاتے گذری ۶ ۳-۲-۷۲ء
اور ٹھوکریں کھاتے لڑکھڑاتے گذری
اے کاش کوئی اُس سے سبق بھی لیتا
مجذوب کی عمر بڑبڑاتے گذری

۲۶-۳-۶۲ء
ہر شے منبع کی سمت مُڑ جاتی ہے
بُو پھول سے روح تن سے اُڑ جاتی ہے
جُڑتا نہیں ٹوٹا ہوا دل ہی ورنہ
ہر چیز جو ٹوٹتی ہے جُڑ جاتی ہے

۲۶-۳-۶۲ء
ہر جھوٹے نگینے کی نمائش دیکھی
دنیا کی غرضمند ستائش دیکھی
بہتر ہے کہ خواہش کو مٹا دیں دل سے
اس کاوشِ بے سود میں کاہش دیکھی

۲۶-۳-۶۲ء
ہیں مظہرِ یادو خاک تُو کیا میں کیا
ہیں باعثِ صد عناد تُو کیا میں کیا
ہر روز کی تُو تُو اور میں میں کیا ہے
کب تک یہ رہے فساد تُو کیا میں کیا؟

۲۶-۳-۷۲ء

ہر مجمع کو بار رات بھلا کون کہے
بے موقع کوئی بات بھلا کون کہے
ہر روزہ دکھاتا نہیں منہ، عید کا دن
ہر شب کو بڑی رات بھلا کون کہے

۲۶-۳-۷۲ء

موزوں نہیں لب پہ ہر کسی کا شکوہ
اللہ کا ہو کہ آدمی کا شکوہ
کوتاہیٔ داماں کی شکایت ہے کبھی
رہتا ہے کبھی دستِ تہی کا شکوہ

۲-۴-۷۲ء

گریہ بھی چلا ہنسی کے پیچھے پیچھے
غم بھی ہیں یہاں خوشی کے پیچھے پیچھے
خود زیست کی عظمت کا پتہ دیتی ہے
ہے موت جو زندگی کے پیچھے پیچھے

یاں آدمی ہو نہ آدمی کا محتاج ۸/۳-۲-۷۲ء
زنہار نہو کوئی غنی کا محتاج
دنیا میں نہیں اس سے زیادہ ذلت
اللہ نہ کرے کبھی کسی کا محتاج

آلام و مصائب کے لگے ہیں انبار ۸/۳-۲-۷۲ء
دل کا مرے ہر زخم ہے شق مثلِ انار
سَو بار ڈبویا ہے زمانے نے مجھے
ہوں پھر بھی نمودار ابھر کر سَو بار!

جینے کا مزہ غم کے اثر سے پایا ۵/۳-۲-۷۲ء
ادراک کسی فیضِ نظر سے پایا
اس راہ میں ہر چیز لُٹا کر صاحب
منزل کا پتہ اپنے ہی گھر سے پایا

اختر مری تقدیر کے کب اچھے ہیں ۸/۴-۷۲ء
اسباب نہ اسباب کے ڈھب اچھے ہیں
کس منہ سے ہو دنیا کی شکایت صاحب
ہم ایک بُرے ہیں سب کے سب اچھے ہیں

کیا چیز نہیں اہلِ خرد پر روشن ۸/۴-۷۲ء
ہر تیرہ دروں رہتا ہے باہر روشن
اے عشقِ بتاں مجھ پہ ہے احساں ترا
جب شمع جلی تیری ہوا گھر روشن

ہر دور میں کچھ ظلم و ستم ہوتا ہے ۹/۴-۷۲ء
غمخوار نہیں ہوتے ہیں غم ہوتا ہے
ہر معرکۂ حق میں دئے جاتے ہیں
یہ شیوۂ اربابِ ہمم ہوتا ہے

اک کوہِ گراں ہے سخت کوشی میری ۹/۴-۷۲ء
پھرتی ہے لئے خانہ بدوشی میری
ہوں مثلِ حباب، سر پہ دریا کے سوار
بنھ جائیگی اب سفید پوشی میری

ہر آنکھ میں غم سے بھری دیکھی ہے ۱۶/۴-۷۲ء
حسرت بھی قرینے سے دھری دیکھی ہے
الزام سے ہر شخص بری ہے صاحب
کس پائے کی بیداد گری دیکھی ہے!

۱۹/۴-۷۲ء

جلتا ہے چمن مست خرامی نہ گئی
جو ساتھ نحوست کہ لگی تھی نہ گئی
کچھ اور بڑھا دی گئی ڈھیلی ڈوری
آزاد ہوئے مگر غلامی نہ گئی

صورت بھی کبھی ملتی ہے سیرت کے خلاف ۱۹-۴-۷۴ء
ہوتی ہے کبھی بات طبیعت کے خلاف
اندھے لنگڑے ملیں گے اکّے دکّے
یہ قاعدہ کُلّی نہیں فطرت کے خلاف

محسوس نہ ہو دردِ کمر پیری میں ۱۹-۴-۷۴ء
محسوس نہ ہو قلّتِ زر پیری میں
یہ نعمتِ عظمیٰ ہے جسے مل جائے
ہر شئے سے فزوں تر ہے پسر پیری میں

✤ ہر دل کو تمنا کی طرح یاد رہو ۱۱-۱۲-۷۳ء
صاحب کے جو دلبند ہو دلشاد رہو
اللہ کرے دولتِ دارین نصیب
تا دیر سلامت رہو آباد رہو

✤ میر داور علیخان سلمہٗ کے لئے

نالوں میں بھی پنہاں ہے اثر کی خواہش ۱۹-۴-۶۲ء
نرگس سے نمایاں ہے نظر کی خواہش
ہے ارض و سما کی طرح بے حدّ و حساب
اللہ ری اک فردِ بشر کی خواہش!

ہرگز نہ کبھی منّتِ ناکس لینا ۱۹-۴-۶۲ء
فطرت ہے یہی سانپ کی بس ڈس لینا
ہمّت ہے اگر فرش ہے راہِ منزل
جھاڑو کی طرح اپنی کمر کس لینا

دل کے صیقل کو رنج و غم ہوتا ہے ۲۳-۴-۶۲ء
ہر ایک ستم ان کا کرم ہوتا ہے
فنکار کے تیشے کے اٹھا کر صدمے
پتھر بھی تراشنے پہ صنم ہوتا ہے

موتی جو سمندر میں پڑا رہتا ہے ۲۳/۴۔۷۲ء
وہ لعل جو معدن ہیں گڑا رہتا ہے
بہتر شجرِ سایہ کناں ہے ان سے
خود دھوپ میں جلنے کو کھڑا رہتا ہے

بیج حُسنِ عمل کے اپنے تُو بھی. بولے ۲۳/۴۔۷۲ء
بہتی گنگا ہے ہاتھ اپنے دھولے
پل بھر میں نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے
پر تول کے سانس کا یہ پنچھی ڈولے

کچھ کھوئے بغیر کس کو حق ملتا ہے ۲۳/۴۔۷۲ء
تاریخ کا کب سادہ ورق ملتا ہے
کہتے ہیں کہ منزل کو پہنچنے کے قبل
ہر ایک کو دشتِ لق و دق ملتا ہے

اندھے کو پرکھ حُسن کی ماشاء اللہ ۲۷-۴-۷۲ء
گوہر کی قدر جوہری جانے کہ شاہ
نا اہل سے کیا دادِ سخن لیں گے ہم
لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

شاہی نہ رہی نخوتِ شاہی نہ گئی ۲۷-۴-۷۲ء
درویش بنے تو کج کُلاھی نہ گئی
ہر ظرف کا پیمانہ الگ ہوتا ہے
عُسرت میں بھی شاہین نگاھی نہ گئی

یہ بارِ سبک بھی زندگی سے نہ اٹھا ۲-۵-۷۲ء
یہ وزن کسی بھی آدمی سے نہ اٹھا
سائے کی طرح گرچہ زمیں دوز ہوئے
یہ بوجھ بجز خاک کسی سے نہ اٹھا

آئینہ در آئینہ ہیں ستھرے چہرے ۷/۳-۷۲ء
عارض کے گلاب، نرم نکھرے چہرے
طوفانِ حوادث ہیں جو دریا دریا
موتی کی طرح غرق ہیں اترے چہرے

اک چشمۂ نور و آب کو ترہے بدن ۷/۵-۷۲ء
یا جاں کے لئے کفن کی چادر ہے بدن
جنّت میں بھی ہمراہ ہے جسمِ خاکی
گلزارِ جناں کا گویا اک گھر ہے بدن

ماں اور بہن کی مامتا ہے عورت ۸/۵-۷۲ء
سرتا بقدم نقشِ وفا ہے عورت
ہر رنگ کا روپ عطر و گل کی دنیا
خود سیج پہ اپنی بیسوا ہے عورت

ہر مرد کے دل کی آرزو ہے عورت ۱۳/۵-۷۲ء
زینت ہے گھر کی، گھر کی آبرو ہے عورت
اک کیفِ و سرورِ جامِ صہبائے طہور
اک عالمِ نور و رنگ و بُو ہے عورت

خس خانے میں جا کے برق پاروں سے ملے ۲۵/۵-۷۲ء
یاروں کے عوض ان کے مزاروں سے ملے
جیسے کوئی خنجر سے گلے ملتا ہے
ہم اب کے برس ویسے بہاروں سے ملے

کرتے ہیں بیاں اس لئے ہم سب سے غرض ۴/۶-۷۲ء
مطلب ہے نکل جائے کسی ڈھب سے غرض
یاروں کو ہے اپنے حلوے مانڈے سے کام
ہر ایک کو ہے اپنے ہی مطلب سے غرض

کیا زہر تھا وہ کہ جس کی مستی نہ گئی ہے ۶-۲-۷۲ء
فطرت سے جبلّت کی یہ پستی نہ گئی
ملتی ہی نہیں تیری اَنا کو تسکین
بندے ابھی تیری خود پرستی نہ گئی!

جو مُہر کا کاغذ پہ اثر ہوتا ہے ۲/۶-۲-۷۲ء
تاثیر میں برعکس مگر ہوتا ہے
یہ شرط ہے جو کچھ ہو سلیقے سے ہو
ہو عیب اگر وہ بھی ہنر ہوتا ہے

لازم ہے کہ ہر شے میں بھلائی ڈھونڈو ۱/۶-۲-۷۲ء
شیروں کی طرح بن میں ترائی ڈھونڈو
گر شوق نظر کو عیب جُوئی کا ہے
تب شوق سے خود اپنی بُرائی ڈھونڈو

مرتے ہوئے پانی نے عمارت ڈھائی ۱۱/۶-۲۷ء
کینہ ہے کدورت کا حقیقی بھائی
اپنے دلِ شفاف کو دریا کر دے
ٹھہرے ہوئے پانی پہ جمی ہے کائی

دکھ درد بھی قسمت نے نرالا بخشا ۱۱/۶-۲۷ء
آنکھوں میں جیسے غم کا چھالا بخشا
بند اہلِ صفا کو تو اندھیرے میں کیا!
اور تیرہ درونوں کو اجالا بخشا!!

اک دن بھی کبھی راس نہ آئی تقدیر ۱۱/۶-۲۷ء
اپنے بھی تماشہ بیں ہیں مثلِ تصویر
دشمن کرے ہمدردی کا اظہار، غضب
ہیں جھوٹی تسلی میں نہاں طنز کے تیر

حامی نہ کوئی پیر و جواں سے نکلا ۱۱/۶-۷۲ء
مطلب نہ زمیں سے نہ زماں سے نکلا
ڈوبا لبِ ساحل مرا بیڑا صاحب
اک لفظ بھی ان کی نہ زباں سے نکلا

لازم ہے ہر اک پہ دوست کا دل رکھنا ۱۷/۶-۷۲ء
ہوتا ہے ہر اک دوست پہ کچھ حق اسکا
جُڑنے پہ بھی رہ جاتا ہے ہڈی میں نقص
ٹوٹے نہ کہیں دیکھو یہ نازک رشتا (ماخوذ)

برعکس اثر ہے بعض چیزوں کا بھی ۱۷/۶-۷۲ء
کیچڑ سے کنول، دئے سے کالک نکلی
ہر وقت نہیں ہوتے ہیں دو دو کے چار
نیکی سے بدی، بدی سے نکلی نیکی (ماخوذ)

میزان میں کچھ نفع و زر تُلتے ہیں ۱۷-۶-۷۲ء
چاندی میں کبھی صاحبِ زر تُلتے ہیں
جب عالی گہر مثلِ گہر تُلتے ہیں
اک پلّے میں خورشید و قمر تُلتے ہیں

کب پوچھتا ہے کوئی بھی مفلس کی بات ۱۷-۶-۷۲ء
دیتا ہے ہر اک شخص زبردست کا سات
آندھی نے ہوا آگ کو جنگل کی دی
جلنے نہ دیا چراغِ مُفلس اک رات (ماخوذ)

نا اہل کو ہوتی ہے کہاں پند قبول ۱۷-۶-۷۲ء
پتھر نے اگایا ہے نہ سبزہ نہ تو پھول
بدخو پہ بھلائی کا اثر الٹا ہے
رکھتا ہے کپٹ دل میں جو ہوتا ہے ملول

وہ درد بھی رکھتا ہے جو سر رکھتا ہے ۱۷/۶-۷۲ء
جس کو ہو بصیرت وہ نظر رکھتا ہے
کچھ راستیٔ سرو سے حاصل بھی تو ہو
جھکتا ہے شجر وہ جو ثمر رکھتا ہے

ہلکوں کی وہ شانِ خودنمائی توبہ ۲۹/۹-۷۳ء
اشراف سے ان کی کج ادائی توبہ
اللہ سفیہوں سے نہ ڈالے کوئی کام
بندے کا غرورِ کبریائی توبہ

غم میں سینے پہ ہاتھ دھرتے کیوں ہو ۱۹/۶-۷۲ء
ہر صبح و مسا جی سے گذرتے کیوں ہو
ہنس بول کے دورِ روز گذارو یارو
اک روز مروگے روز مرتے کیوں ہو؟

دلدادۂ لذّاتِ جہاں خوش پوشاک ۲۹/۶-۷۲ء
افسوس کہ پایا نہیں تونے ادراک
یہ کاسۂ سر ٹھوکروں میں آئے گا
رہ جائیگی بس وجود سے باقی، خاک

گر نشّہ نہو شراب نوشی ہے عبث ۲۹/۶-۷۲ء
بے فیض جو ہو تو بُت پرستی ہے عبث
ہے خاک کا تودہ جو نہیں عشق کی آگ
اے ننگِ وجود تیری ہستی ہے عبث

آرام ہو پروا نہیں گھر چھوٹا ہو ۱۱/۱۲-۷۳ء
وہ بھی ہے زیاں گرچہ ضرر چھوٹا ہو
بنتی ہی نہیں اپنی تنگ ظرفوں سے
کس کام کا جامہ ہے اگر چھوٹا ہو؟

یہ جسم گھرا ہوا ہے سنگینوں میں ۲۹/۶-۷۲ء
ہے روح کا وجدان تو بے دینوں میں
کلمہ وہ پڑھے شوقِ شہادت ہو جسے
ایمان اگر ہے تو رہے سینوں میں

ہر گام پہ ہے فریبِ دامِ ہستی ۹/۷-۷۲ء
اک نقش بر آب ہے نظامِ ہستی
ملتا ہے کہاں سراب میں قطرۂ آب؟
بدمست نہ ہو مستِ خرامِ ہستی!

صورت میں ہے پنہاں کبھی سیرت کا فریب ۹/۷-۷۲ء
تقدیس کبھی ہے چشمِ مروّت کا فریب
دنیا میں کئی طور کے مکر و فن ہیں
کھاتا ہے کوئی آپ ہی فطرت کا فریب

ننگو جائے سے جو چاکِ قبائے گُل ہے ۹/۷-۲-۷۲ء
معلوم ہوا کتنی بقائے گُل ہے
کانٹوں کے مُقدّر کو ملا ہے وہ فروغ
گلزار میں اب خار بجائے گُل ہے

ہو سکتا ہے پھولوں کا بدن میلا ہو ۹/۷-۲-۷۲ء
ہو سکتا ہے مردے کا کفن میلا ہو
قدرت کا عطیہ ہے نگینہ دل کا
ممکن ہی نہیں لعلِ یمن میلا ہو

کس بات پہ اسقدر ہے مغرور انساں ۹/۷-۲-۷۲ء
ظاہر ہے کہ ہے عقل سے معذور انساں
کیا جانئے کس حال میں دُنیا ہوتی
ہوتا نہ اگر موت سے مجبور انساں

۹/۷-۷۲ء بھوکا تو خوشی کا نہ تھا یہ دل فریاد
معمور رہا رنج سے، غم سے آباد
اس غنچہ دہن کا جو تبسم دیکھا
جھک کر یہ کہا "مجھ سے ہوا کچھ ارشاد"

۹/۷-۷۲ء گھبرائے گا دل اور ترے ماتم سے
حاصل بھی تجھے کیا ہے پرائے غم سے
"کیوں روتی ہے تو مجھ سے سوا حادث ہے"
غنچے نے کہا ہنستے ہوئے شبنم سے

۲۵/۷-۷۲ء ظلمت کا ہے پتھراؤ سحر کے پیچھے
خطرے میں ہیں وہ جو ہیں خضر کے پیچھے
امیدوں پہ پانی نہیں پھرتا کیسے
ڈیرے ہیں اندھیروں کے سحر کے پیچھے

یہ زہر ہے کام اپنا کر جائے گا ۲۵/۷-۷۲ء
سیلاب کبھی سر سے گذر جائے گا
اے بادۂ اقتدار کے بدمستو!
یہ نشہ کسی روز اتر جائے گا!!

تیرا یہ خیال کیوں ہے عہدہ کم ہے ۷/۳-۷۲ء
تو کیوں یہ سمجھتا ہے کہ پیسہ کم ہے
محتاج کسی کا نہیں معذور نہیں
اے عقل کے معذور یہی کیا کم ہے؟

خاکسترِ کُشتگاں ملے گی کہ نہیں ۲۵/۷-۷۲ء
گردِ رہِ کارواں ملے گی کہ نہیں
منزل نہ سہی جادۂ منزل ملتا
ہمچشمیٔ رفتگاں ملے گی کہ نہیں؟

طوفانِ الم کتنے ہی سر سے گذرے ۲۶-۷-۶۲ء
کیا کیا نہ ستم اپنی نظر سے گذرے
ملتا نہیں نقشِ کفِ پا اب ان کا
جو قافلے اس راہ گذر سے گذرے

کب ثروت و جاہ و مال ہی سب کچھ ہے ۱۵-۴-۶۳ء
کب گیتیٔ بے زوال ہی سب کچھ ہے
حاصل ہے اگر تجھکو کسی فن میں کمال
یہ دولتِ لازوال ہی سب کچھ ہے

ظاہر کی نمود اونچا کرتی نہیں نام ۲۹-۴-۶۳ء
ملتا ہے مشقّت کی بدولت آرام
روشن نہیں ہوتی نہیں جلتی جب شمع
بنتا ہے اٹھانے سے کڑی ہر اک کام

کیا پوچھتے ہو اہل وطن کی حالت ۲۶-۶-۴۳ء
اربابِ ہنر کے علم و فن کی حالت
ہر شخص کا گردش میں ستارا ہے یہاں
اب بھی ہے وہی چرخِ کہن کی حالت

کچھ دہر کے آفات نے دل توڑ دیا ۳۰-۶-۴۳ء
کچھ صورتِ حالات نے دل توڑ دیا
پتھر سے اُڑے شیش محل کے ٹکڑے
اے دوست تری بات نے دل توڑ دیا

ہر اک سے جہاں میں آشنائی کیجیے ۱۵-۷-۴۳ء
پھر ان سے ڈھٹائی سے جدائی کیجیے
دل موہ کے دل پہ کیجیے قابو حاصل
بدلے میں وفا کے بیوفائی کیجیے

کس بات پہ پھولوں کی جھک بھولی ہے　۲۰-۷-۷۳ء
گلزار میں شاخ گل پہ کیوں جھولی ہے
ہر شے میں یہاں پر ہے نظر کو دھوکہ
پھولی ہے شفق کہ چرخ پر سولی ہے

اس تودۂ خاک پر کہاں رہئے گا　۲۲-۷-۷۳ء
ہوگا یہ فلک سر پہ جہاں رہئے گا
کر ڈالیں گے بے نام ونشاں یہ دونوں
بہتر ہے کہ بے نام ونشاں رہئے گا

ہے کون جو سیدھا کرے نقشا اُلٹا　۲۶-۸-۷۳ء
آئینہ جو دیکھا نظر آیا اُلٹا
گر اُلٹی بھی انکی بات ہے سیدھی ہے
سیدھا بھی ہے اپنا کام گویا اُلٹا

دریا میں فلک کا ہے سفینہ الٹا ۲۶/۸-۷۳ء
گویا ہے انگوٹھی میں نگینہ الٹا
رہرو بھی چلیں گے راہ بائیں جانب
دنیا کا عجیب ہے قرینہ الٹا

کیا کہیے کہ کیا سیدھا ہے اور کیا الٹا ۲۶/۸-۷۳ء
ہوتا ہے ہر اک جام کا سیدھا الٹا
مجبور ہے چلتا ہے قلم سر کے بل
اس کاتب تقدیر نے لکھّا اُلٹا

ہرگز نہ کبھی فطرتِ محکم بدلی ۸/۹-۷۳ء
کب صبحِ مسّرت سے شبِ غم بدلی؟
ہر لحظہ دگرگوں تھا زمانے کا مزاج
آدم بدلا نہ خوئے آدم بدلی!

لازم ہے کہ بے جرم سزا دی جائے ۱۹/۹-۴۲ء
اور قید کی معیاد بڑھا دی جائے
اس شخص کا دل توڑ دیا جائے گا
جس شخص کو توفیقِ دُعا دی جائے

یہ رسم پُرانی ہے اٹھا دی جائے ۱۹/۹-۴۳ء
تعمیر یہ بوسیدہ ہے ڈھا دی جائے
باقی نہ رہے بانس نہ باجے بنسری
جو راہ وفا کی ہے مٹا دی جائے

غنچے کا سکوں عقدہ کشا نے لُوٹا ۳۰/۶-۴۳ء
یعنے زرِ گل بادِ صبا نے لُوٹا
رہزن کوئی اب زحمتِ بیجا نہ کرے
اس شہر کو اربابِ وفا نے لُوٹا

جو ہونی تھی کیا اس کا مداوا کرتے ۲۲-۹-۳۰ء
رہنا تھا کسے کہ فکرِ فردا کرتے
جو دیکھا تو تھا سارا زمانہ قاتل
ہم خون کا اپنے کس پہ دعویٰ کرتے؟

اندیشۂ دین و فکرِ دنیا کرتے ۲۲-۹-۳۰ء
دل دیتے بتوں کو ذکرِ مولا کرتے
مئے پیتے کہ اختیار کرتے تقویٰ
دو دن کے لئے آئے تھے کیا کیا کرتے؟

ملتی ہے کسے بھیک کہ مانگا کرتے ۲۲-۹-۳۰ء
کچھ قرض نہیں تھا جو تقاضا کرتے
چاہا تھا جسے وہ تو مقدّر میں نہ تھا
کیا باقی رہا جس کی تمنا کرتے؟

فردوس کا دل کش وہ نظارا ابھی نہیں ۲۲-۹-۶۳ء
اُس ساعدِ سیمین کا سہارا ابھی نہیں
کیا جانیے افتاد پڑے کیا آگے
اغیار کا احسان گوارا ابھی نہیں

مخلوق تظلّم کو کہاں سہتی ہے ۲۶-۹-۶۳ء
تاریخِ زمانہ بھی یہی کہتی ہے
فرعون کا موسیٰ نے ڈبویا بیڑا
ناؤ کاغذ کی کب تلک بہتی ہے؟

یاروں میں وہ یاری ہے نہ وہ پیار ہے اب ۲۲-۱۰-۶۳ء
وہ لُطف نہ وہ گرمیٔ گفتار ہے اب
دنیائے محبّت نے یہ کھایا پلٹا
ان باتوں سے کیا ان کو سروکار ہے اب؟

سر پیٹ کے تقدیر کو روتے ہی رہے ۲۶-۱۰-۴۳ء
انمول متاعِ عمر کھوتے ہی رہے
تھے بامِ ترقّی پہ سب اقوام و ملل
ہم قعرِ مذلت میں بھی سوتے ہی رہے

۲۶-۱۰-۴۳ء

یہ وقت بُرا ہر اک پہ کیسا آیا
دوشیزہ بہاروں پہ رنڈاپا آیا
ایسی تو کبھی گردشِ ایام نہ تھی
صد حیف جوانی میں بڑھاپا آیا

ہر شئے ہے بہت خوب بڑی بہتر ہے ۹-۱۱-۴۳ء
مٹّی ہو کہ سونا ہو سبھی بہتر ہے
حوریں بھی ہیں، غلماں بھی، فرشتے بھی ہیں
مخلوق میں سب سے آدمی بہتر ہے

بد گوئی سے شغلِ مئے کشی بہتر ہے ۹/۱۱-۷۳ء
توبہ جو کروں میں تو ابھی بہتر ہے
خورشیدِ ضیاء پاش سے اے گریۂ شب
میرے اشکوں کی روشنی بہتر ہے

یہ روپ اے گُل عذار چھن جائیگا ۲۱/۱۱-۷۳ء
ہر شاخ سے برگ و بار چھن جائیگا
اپنے تنِ نازک پہ نہ کر ناز اتنا
یہ جامہ ہے مستعار چھن جائیگا!

ہم لائے یہاں تھے زندگانی تھوڑی ۲۷/۱۱-۷۳ء
صد شکر کہ ہے حیاتِ فانی تھوڑی
اس پر بھی ستم خدا شناسو یہ غضب!
ہیں رنج زیادہ شادمانی تھوڑی

ہر قید سے اب شعر کا فن ہے آزاد ۵/۱۲-۷۳ء
ہر سکۂ جعلی کا چلن ہے آزاد
کہنے کو تو آزاد ہیں ہم بھی صاحب
جس طرح کہ اک سروِ چمن ہے آزاد

ممکن نہیں خالص کا اثر جھوٹا ہو ۱۱/۱۲-۷۳ء
گھٹ جاتی ہے قیمت جو گہر جھوٹا ہو
کس کام کا انسان ہے صاحب ایسا
گر جاتا ہے نظروں سے اگر جھوٹا ہو

لب پر جو فغاں آئے دہن جل جائے ۲۲/۱-۷۴ء
گر ضبط کروں سارا بدن جل جائے
اے آتشِ گل ایسا نہ ہو جائے کہیں
کانٹوں کے جلانے میں چمن جل جائے

ہے جامِ تہی جو واژگوں ہوتا ہے ۲۲-۱-۷۳ء
افلاس بہر حال زبوں ہوتا ہے
ہے سب سے جُدا علم کی دولت کا چلن
گُھٹتا ہے خزانہ تو فزوں ہوتا ہے

خوشبو کوئی اخلاق کی مہکاتا ہے ۲-۱-۷۲ء
اخلاص کا نور کو پھیلاتا ہے
لاریب ہر ایک نیک عمل عقبیٰ میں
رائی کا اک پہاڑ بن جاتا ہے

ہم کاٹتے ہیں وقت کو آرے کی طرح ۲۹-۲-۷۲ء
سرگرمِ سفر ایک شرارے کی طرح
کیونکر نہ اڑے چہرۂ انفاس کا رنگ
دل ڈوبتا ہے ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح

دنیا نے ستم ڈھائے ہیں یاروں کی طرح ۲۹/۳-۷۲ء
طوفاں میں سرابوں کے کناروں کی طرح
اب کس پہ کوئی تکیہ کرے گا صاحب
ہیں کوہ بھی تنکوں کے سہاروں کی طرح

گرتی ہوئی شبنم ہے پھواروں کی طرح ۲۹/۳-۷۲ء
دریا میں ہیں نغمات شراروں کی طرح
کلیاں متبسّم لبِ خنداں جیسے
کھِلتے ہوئے دو پھول عذاروں کی طرح

چہرے ہیں نگاہوں میں نقابوں کی طرح ۲۹/۳-۷۲ء
ہیں زندہ دلاں خانہ خرابوں کیطرح
آئینہ مقابل ہے کہ دریائے فنا
ہم محوِ تماشا ہیں حبابوں کی طرح

ستو! تیر نہیں تیز نگاہوں کی طرح ۲۹-۲-۷۲ء
ہیں آج گدا، کل تھے جو شاہوں کیطرح
اے ابر کرم کھُل کے برسنا ہم پر
آہوں کا دھواں بھی ہے گناہوں کیطرح

یہ زیست بھیانک نہی غاروں کی طرح ۲-۳-۷۲ء
مُردار یہ کرگس کی قطاروں کی طرح
اس خاک سے پھر تازہ گلاب ابھریں گے
دل بیٹھ گئے کہنہ مزاروں کی طرح

جلوے ہیں نہاں آنکھوں میں خوابوں کیطرح ۲-۳-۷۲ء
نازل ہوئیں یادیں بھی عذابوں کی طرح
وہ دیکھئے سینے میں کبوتر چھوٹے
جھپٹی ہیں نگاہیں جو عقابوں کی طرح

پلتے ہیں یہاں زاغ غزالوں کی طرح ۲/۳-۲-۷۲ء
ہیں اہلِ خرد خام خیالوں کی طرح
کیا تیرہ جمالی نے بگاڑا ہے بھاؤ
بکتے ہیں اندھیرے بھی اجالوں کی طرح

پھیلا نہ کبھی مکر کو جالے کی طرح ۲/۳-۲-۷۲ء
کمبل کو سمجھ شال دوشالے کی طرح
پچھتائے گا، پچتا ہے کسے لوٹ کا مال
چھن جائے گا وہ منہ کے نوالے کی طرح

دی شمع خرد گھر کے قبالے کی طرح ۲/۳-۲-۷۲ء
ہمراز بنے کان کے بالے کی طرح
سوزِ دلِ پروانہ سے دل روشن ہے
آغوش ملا چاند کے ہالے کی طرح

آباد ہیں غم اجڑے دیاروں کی طرح ۲/۳-۲-۶۲ء
آتی ہے خزاں چمن میں بہاروں کی طرح
ہم اور وہ صاحب متوازی ہیں خطوط
ملتے ہیں تو دریا کے کناروں کی طرح

اس گنجِ شہیداں میں ہیں غازی کی طرح ۳۱/۳-۲-۶۲ء
دامن کو رکھا پاک نمازی کی طرح
اک کھیل سہی سانس کا آنا جانا
جیتا ہے اسے جان کی بازی کی طرح

ہے جاں کیلئے جسم یہ زنداں کی طرح ۲/۴-۲-۶۲ء
دل چاک ہوا گُل کے گریباں کی طرح
بربادی و بدحالی و بداقبالی
ارزاں ہیں سبھی خونِ مسلماں کی طرح

ملتی ہے غذا پیٹ کو ایندھن کی طرح ۲۷-۲-۶۲ء
من سینے میں ہے بند سیہ دھن کی طرح
جاتے ہوئے کیا کام یہاں چھوڑو گے؟
سیکھا ہی نہیں فن کو کبھی فن کی طرح!

برگشتۂ تقدیر ہوں سکا کُل کی طرح ۱۹-۹-۶۳ء
ہوں نالہ کناں ہجر میں بلبل کی طرح
ڈرتا ہوں میں اس بات سے ظالم، تجھ سے
سیکھے نہ مری موت تغافل کی طرح

کس شان سے جیتے ہیں رسولوں کی طرح ۹-۱-۶۴ء
گردش میں بلندی ہے بگولوں کی طرح
کانٹے بھی ہیں، پتھراؤ بھی ہے دار بھی ہے
تحفے یہ خدا سے ملے پھولوں کی طرح

رونے سے نکل آئی نہ رونے کی طرح ۱۹/۹-۳-۷۶
ہر سانس گلو گیر ہے پھندے کی طرح
اللہ بتوں کی کبریائی ہیں مگر
ہو جائے بسر اپنی بھی بندے کی طرح

گم گشتہ ہوں، گم کردہ جوانی کی طرح ۱۷/۴-۴-۷۶
ہے مرگ عزیز زندگانی کی طرح
ہم رنگ جو تھے بچھڑ گئے ہیں صاحبؔ
بے رنگ ہوں اب دہر میں پانی کی طرح

وہ حسن کہ ہو نور کی اک ضو جیسے ۷/۵-۲-۷۶
لرزاں ہے بدن شمع کی ہو لو جیسے
وہ نورِ جہاں سارے حسینوں کے بیچ
جھرمٹ میں ستاروں کی مہِ نو جیسے

سُرخی سی شفق کی دوڑ جائے جیسے ۱۴-۵-۶۲ء
عیسیٰ کسی مردے کو جلائے جیسے
جی اُٹھتی ہے اُمید ترے آنے کی
کعبے میں چراغ ٹمٹمائے جیسے

دیدہ کاجل سے پھوٹ جائے جیسے ۲۸-۵-۶۲ء
لینے ہی میں جام چھوٹ جائے جیسے
یوں ہم سے جدا کوئی ہوا ہے ہمدم
بجتا ہوا تار ٹوٹ جائے جیسے!

خط عشق کے اظہار میں لکھا جیسے ۱۱-۶-۶۲ء
شاہین نے اپنا صید دیکھا جیسے
پھینکی ہے کمند چشمِ جادوگر نے
دل سینے میں ہل رہا ہے پنکھا جیسے

کٹھیا میں ہو پنتی کوئی رُوشن جیسے ۳۰-۷-۷۳ء
چھپ چھپ کے دکھائے کوئی درشن جیسے
یوں جھانکتا ہے ابر کے پیچھے سے چاند
مسکی ہوئی انگیا میں ہو جوبن جیسے

ہر حُسن ترے جمال میں ہو جیسے ۱۱-۶-۷۲ء
کا کُل میں ہو اور خال میں ہو جیسے
یوں ذہن میں محفوظ ہیں بیتے لمحات
اک خواب بسا خیال میں ہو جیسے

بیمار کے تن میں سانس ابھی باقی ہے ۲۶-۷-۷۲ء
دلمیں جو چبھی تھی پھانس ابھی باقی ہے
نغمے میں فغاں کو جو مبدّل کر دے
نے کے لئے وہ بانس ابھی باقی ہے

رہتی ہے خلش سے دل میں الجھن الجھن ۸/۴-۲-۶۷
موتی بکھرے ہوئے ہیں دامن دامن
ہے مہر کبھی اور نگہ قہر کبھی
صحرا صحرا ہے اور گلشن گلشن

ہوتا ہے ہر اک ساز کا آہنگ جدا ۸/۴-۲-۶۷
ہر پھول کی بُو الگ ہے اور رنگ جدا
کچھ اور ہی ہے وہ بتِ طنّاز اپنا
انداز جدا، بات جدا، ڈھنگ جدا

ہر جنبشِ تلطّف کو تقاضا نہ سمجھ ۸/۴-۲-۶۷
پروا جو نہیں ہے اسے پروا نہ سمجھ
ہنس بول کے جینے میں نہیں ہرج مگر
نیرنگیٔ عالم کو تماشا نہ سمجھ

صدموں کا اثر چینِ جبیں پر آیا ۹/۴-۲۷۶
کیا وقت مری جانِ حزیں پر آیا
وہ روگ لگا جس کی دوا مشکل ہے
دل آیا تو اک پردہ نشیں پر آیا!

یہ عمرِ عزیز آرزو میں گذری ۹/۴-۲۷۶
تڑپا کئے اک چشمِ تلطّف نہ ملی
کی پرسشِ احوال نہ جھوٹے منہ بھی
اللہ اللہ رے بے نیازی تیری

پل بھر نہیں کرتے تھے جدا آنکھوں سے ۱۶/۴-۲۷۶
آنکھوں سے کہا اور سنا آنکھوں سے
تھے تارِ نظر کے مثلِ سلکِ گوہر
آنکھوں سے لگایا جو ملا آنکھوں سے

۱۹/۴-۶۲ء ہو شہد کا دریا بھی تو کڑوا ہو جائے
گُلّی جو کروں اس میں تماشا ہو جائے
تلخی سے مرے کام و دہن کی صاحبؔ
ظلمات بھی اک زہر کا چشما ہو جائے

۲۷/۴-۶۲ء وہ تیرِ نظر برقِ ستم پیشہ ہے
شعلے کی زبان ہے یا لبِ تیشہ ہے
ہے برف کی مانند مرے دل کا گداز
ہے دیکھنے میں سنگ مگر شیشہ ہے

۲۷/۴-۶۲ء ہیں قند و نبات میٹھی میٹھی باتیں
بن جائیں نصیب میرا ساری باتیں
رس گھول دیا کسی نے کانوں میں مرے
دل لوٹے ہے سن کے پیاری پیاری باتیں

ٹوٹے ہوئے پیکاں کا پتہ کیا ہوگا ۱/۵-۳-۶۲
اب ہاتھ میرا دل سے جدا کیا ہوگا
منہ موڑ لیا جب کہ مسیحا نے مرے
اے ناخنِ تدبیر بتا کیا ہوگا؟

وہ گم ہوئے آرائش و زیبائی میں ۲/۵-۲-۶۲
دارائی میں اور انجمن آرائی میں
صد صحبتِ رنگینِ نگاراں صاحب
حاصل ہے مجھے گوشۂ تنہائی میں

گنگا کی طرح جیسے بل بل جاتی ہے ۷/۵-۲-۶۲
جمنا جیسے کمر کو لچکاتی ہے
جوبن کی اٹھان ہے کہ پنچھی جینگا!
سنگم پہ کوئی بیٹھے غزل گاتی ہے

کیوں خاک بسرِ قیس ہے صحرا صحرا ۷/۵-۷۲ء
فرہاد لہو میں اپنے ڈوبا ڈوبا
کیوں عشق بنے آگ کا جلتا جنگل
جب حُسن ہے اس شوخ کا دریا دریا

وہ نرگسِ مخمور، چھلکتا ساغر ۷/۵-۷۲ء
وہ کُنجِ دہن ایک مہکتا ساغر
ہو جیسے طلسمات کا اک شیش محل
ہر عضوِ بدن ایک کھنکتا ساغر

پیکر ترا پھولوں کی چھڑی ہے گویا ۷/۵-۷۲ء
ان پھولوں پہ شبنم سی پڑی ہے گویا
گویا لبِ لعلیں، لبِ عیسیٰ جیسے
بھروپ لئے حور کھڑی ہے گویا

وہ فرطِ مسرّت میں بہکتے ہوئے لب ۵-۲-۶۷
وہ وصل کی خوشبو سے مہکتے ہوئے لب
وہ عشق کی گرمی سے بھبھوکا چہرہ
وہ حُسن کے شعلوں سے دہکتے ہوئے لب

نظّارے سے آنکھوں میں تراوٹ آجائے ۵-۲-۶۷
رس گھول دے کانوں میں جو آہٹ آجائے
ہو جائے مسرّت کے سبب شادیٔ مرگ
دامانِ طرب میں ترا گھونگٹ آجائے

گیسو سے ترے مُشکِ ختن شرما جائے ۵-۲-۶۷
دنداں سے ترے دُرِّ عدن شرما جائے
وہ بھاگ، ثریا کی بلندی، پستی!
وہ روپ کہ چوتھی کی دلھن شرما جائے!!

آواز کے ساغر کا کھنکنا پیہم ۷/۵-۷۲ء
غنچوں کی چٹک ان کا مہکنا پیہم
وہ خلوتِ معصوم کہ شیشے کی پری
صہبائے جوانی سے بہکنا پیہم

اُس چشمِ غزالہ کا تبسم گویا ۷/۵-۷۲ء
خاموشی میں پنہاں ہے تکلّم گویا
ظلمات کے چشمے سے درخشاں تر ہے
اس ساز میں ہے کتنا ترنم گویا

دوشیزہ فضاؤں میں مہکتی ہوئی دھوپ ۸/۵-۷۲ء
شرماتی، لجاتی ہے، ٹھٹکتی ہوئی دھوپ
آنچل سے شعاعِ لب و رخ ہو جیسے
آئینۂ صبح سے چھلکتی ہوئی دھوپ

دوشیزہ فضا کی سنسناہٹ تو سنو ۸/۵-۲-۶۷
پازیب کی دھیمی گنگناہٹ تو سنو
لمحات نے دم سادھ لیا ہو جیسے
ہے کون ذرا پاؤں کی آہٹ تو سنو

کیا رات تھی کیا رات تھی میخانے کی رات ۸/۵-۲-۶۷
رگ رگ میں تھرکتی ہوئی وہ نبضِ حیات
وہ نورِ مجسّم رہا ساغر بر کف
کیا خوب تھا امتزاجِ نور و ظلمات

نغمات کی شب ہیں گنگناتی آنکھیں ۸/۵-۲-۶۷
ہم رنگ فلک ہیں نیلی نیلی آنکھیں
اک آگ لگاتی ہیں غضب ڈھاتی ہیں
پھولوں کی جوانی ہیں رسیلی آنکھیں

یعقوب کی یوسف کی کہانی آنکھیں ۸/۵-۷۲ء
ارمانِ زلیخا کی جوانی آنکھیں
یہ جنبشِ مژگاں ہے کہ نقشِ تسخیر
یا ہیں یدِ بیضا کی نشانی آنکھیں

کس سر کا غرور ہے جوانی تیری ۸/۵-۷۲ء
کس نور کا طور ہے جوانی تیری
یہ چاند یہ سورج یہ بہاروں کی ترنگ
کس نشہ میں چور ہے جوانی تیری

ہوں سر بہ گریباں کہ قلم ہے آب آب ۸/۵-۷۲ء
کس طرح کھنچے شبیہِ روئے نایاب
مارا جو بہت زور اتر آئی ہے
تصویر نہیں تیری ہے تصویرِ نقاب

بوجھل ہیں بہت غم سے ہماری باتیں ۴/۵-۲-۶۲ء
وہ ملتے ہیں اب ہمکو نہ ان کی باتیں
آنکھوں میں بسے ہیں کتنے اونچے منظر!
کانوں نے سنی ہیں کتنی پیاری باتیں!!

کافور کی شمع، پھول سی بانکی چھوری ۸/۵-۲-۶۲ء
معصوم نگاہوں کی سنہری ڈوری
تکتی ہوئی راہ پی کی اپنے در پر
کس پیار سے منتظر کھڑی ہے گوری!

ہر گام پہ ٹھوکر سی لگاتی ہوئی چال ۱۴/۵-۲-۶۲ء
فتنوں کو قیامت کے جگاتی ہوئی چال
نغمے کا نشہ، پھول کا رس، روپ کا رنگ
مستی میں جوانی کو نچاتی ہوئی چال

الفاظ کا چل گیا ہے جادو گویا ۲۸/۵-۴۲ء
معنٰے کے نکل آئے ہیں پہلو گویا
قائل دلِ مردہ دمِ عیسیٰ کا ہوا
جب آکے مرے آگے ہوا تو گویا

ملنا بھی غضب تیرا نہ ملنا بھی ستم ۲۸/۵-۴۲ء
آنا بھی قیامت ترا جانا بھی ستم
کیوں تڑپے نہ پھر یہ دلِ سیماب صفت؟
رونا بھی ترا جور ہے ہنسنا بھی ستم!

آنسو کا مرے خراج دینا ہوگا ۷/۹-۴۲ء
اس رسم کو اب رواج دینا ہوگا
نذرانہ میں دل کو اپنے مجھکو دے کر
اقلیم کا اپنی راج دینا ہوگا

کس غنچے کی لائی ہے چمن سے خوشبو ۱۰/۶-۲-۶۲ء
چھوٹی ہے ہر اک موئے بدن سے خوشبو
کس پیکرِ خوبی کا زباں پر ہے ذکر
آتی ہے گلاب کی دہن سے خوشبو

نافہ جو رہے خاک میں چندے مستور ۱۰/۶-۲-۶۲ء
اُڑ جاتی ہے خوشبو اسکی مثلِ کافور
ہمنے بھی سنی ہے یہ مثل ہے مشہور
آنکھوں سے جو دور ہے وہ دل سے ہے دور

بنکر جو رہا نقشِ سویدا دل میں ۱۲/۶-۲-۶۲ء
لیلی ہے کوئی گرمِ سفر محمل میں
ہے خالِ رخ یار کا پر تو وہ بھی
صاحب نہیں دھبہ یہ مہِ کامل میں

۲۱/۶-۲-۶۷
ہیں نیچی نگاہیں تو دمکتے ہوئے گال
دھڑکن کی ہے غمّاز لچکتی ہوئی چال
ہر گام پہ کھل جاتی ہے چوری توبہ
چھپتے ہیں چھپائے سے نہائی کے بال؟

۲۳/۶-۲-۶۷
ویسے تو ہے ہر نقشِ حسیں آپ کا عکس
گردوں کی جبیں، روئے زمیں آپ کا عکس
اتنا بھی نہ منہ اس کو لگاؤ دیکھو
آئینہ چرالے نہ کہیں آپ کا عکس

۲۵/۶-۲-۶۷
ہونٹوں کو الگ، دل کو لگا ہے چرکا
دل سوز ہے لب بند ہے جس کا لپکا
اے غنچہ دہن اتنا لگایا کیوں منہ؟
لپکا یہ لگا دیا ہے تو نے کیسا! (ماخوذ)

دل پھر رخ و دنداں کی طرف جاتا ہے ۲۵-۶-۷۳ء
مجرم کوئی زنداں کی طرف جاتا ہے
آنکھوں سے ٹپکنے لگے لعل و گوہر
ذہن اس لیے دنداں کی طرف جاتا ہے (ماخوذ)

جس حال میں جیسے کوئی سائل آئے ۲۵-۶-۷۲ء
بیدرد کے در پہ جاکے ہم مل آئے
معذور کی مجبوری ابھی بہتر ہے
موت آئے کسی پر نہ مگر دل آئے

روشن ہیں سرِ شام ستاروں کے چراغ ۲۳-۹-۷۲ء
یا گنبدِ گردوں ہیں مزاروں کے چراغ
دل اور ترے وصل کی حسرت دل میں
ہیں ڈوبتی کشتی سے کناروں کے چراغ!

فردوس کے کھوئے ہوئے دن رات ملے ۲۹/۶-۷۲ء
طوبیٰ سے کسی کو جیسے سوغات ملے
تن من کا مجھے ہوش ہی باقی نہ رہا
جب ہاتھ سے تیرے مرے یہ ہات ملے

وہ عید سے افضل و مہکتی راتیں ۲۹/۶-۷۲ء
وہ جان و دل و دیدہ کی سَلوسوغاتیں
اس جانِ تمنّا نے ادھر دیکھ لیا
پھر آ گئیں یاد بھولی بسری باتیں

جب سامنے یک بیک وہ آجاتے ہیں ۲۹/۶-۷۲ء
احساس کے ہاتھ سُنا جاتے ہیں
آنکھوں سے جوانی کی ابلتی ہے جو مئے
توبہ کے بھی پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں

خالق سے نہ مخلوقِ خدا سے ہے ربط ۳۰/۶-۷۲ء
دشمن سے ہے ربط اور نہ آشنا سے ہے ربط
کیا خاک اُسے درد جفا کیشوں کا
ظالم کو بس اک اپنی جفا سے ہے ربط

آئے تھے تو پھر یہاں سے جانا تھا فرض ۳۰/۶-۷۲ء
آنے کو اجل کے اک بہانا تھا فرض
جا کود پڑے آتشِ نمرود میں ہم
ہر شخص کو جان اپنی بچانا تھا فرض

نیرنگِ جہاں جیسے کہ سالوس کے رنگ ۳۰/۶-۷۲ء
اربابِ وفا کو ملے محبوس کے رنگ
کی چشم غزالہ نے بھی طوطا چشمی
رقصاں مری آنکھوں میں ہیں طاؤس کے رنگ

شب وصل میں یوں وصل ہوئے سینے دو ۳۰/۶-۶۲ء
تھا اذن، شرابِ وصل انہیں پینے دو
الماس تھے دو ایک انگوٹھی میں جڑے
حیرت زدہ چہرے تھے کہ آئینے دو؟

دل کو ہے مرے لذّتِ آزار پسند ۹/۷-۶۲ء
آیا لبِ جاں بخش کا انکار پسند
دل اور تری نرگسِ بیمار کے ناز!
بیمار کو آیا ہے یہ بیمار پسند!!

بھونرے کی طرح کلی کلی رقص کرے ۲۵/۷-۶۲ء
جیسے دریا میں چاندنی رقص کرے
یوں رقص کناں آئی ہے گلشن میں بہار
دربار میں جوں بھاگ متی رقص کرے!

یہ زلیست بنی خاک کے ذرّوں کا ڈھیر ۲۵/۷-۶۲ء
جیسے ہو شجر کے نیچے پتّوں کا ڈھیر
کاٹے ہوئے پیڑ ہیں کہ بکھرے اجسام
یا شمع کے اطراف پتنگوں کا ڈھیر

ہیں آب بقا ماہ لقا کی باتیں ۲۴/۶-۶۳ء
اک سحر ہیں انداز و ادا کی باتیں
تصویر ہے آئینۂ دل کا عالم
جادو ہے کہ اس ہوش رُبا کی باتیں؟

گردش میں مئے ناب کا پیمانہ رہے ۲۴/۶-۶۳ء
تو زیب دہِ مسندِ شاہانہ رہے
پیتا رہوں ساقی میں تری آنکھوں سے
تا حشر سلامت ترا میخانہ رہے

دوزخ کی عقوبت ہے گنا ہوں کے لئے ۲۳/۶-۴۳ء
یا عیش کا سامان ہے شاہوں کے لئے
حسرت تری باہوں کی گلے کا ہے ہار
فردوس کا منظر ہے نگاہوں کے لئے

اے ابرِ کرم تجھ سے ہے فیضانِ بہار ۲۴/۶-۴۳ء
وہ پیکرِ رنگیں کہ دل و جانِ بہار
یہ آب و ہوا یہ گُل و مُل یہ نغمے
اطراف مرے جمع ہیں سامانِ بہار

امیدیں نہ کیا کچھ تھیں بندھائی آنکھیں ۳۰/۶-۴۳ء
نغماتِ بہشت گنگنائیں آنکھیں
یہ حال ہے صورت کو ترس جاتی ہیں
یاد آئے ہو جب کبھی ڈبڈبائیں آنکھیں

مخمور نگاہیں وہ شباب آلودہ ۳۰/۶-۳۷ء
ہو جیسے کوئی مستِ شراب آلودہ
یاد آ کے مری نیند اڑا دیتی ہیں
مستی بھری آنکھیں تری خواب آلودہ

شیدا ہیں، ترے کوچے کے پھیرے پھرتے ۱۵/۷-۳۷ء
دیوانے ہیں لوگ جن کو گھیرے پھرتے
دیکھا ہے تری زلفوں کو یوں شانوں پر
ناگوں کو لئے جیسے سپیرے پھرتے (ماخوذ)

مُصحف کو کُھلی کتاب بھی کہتے ہیں ۸/۹-۲۷ء
جلوے کو کبھی حجاب بھی کہتے ہیں
اے خالِ رخِ یار ترا کیا کہنا
اس نقطے کو انتخاب بھی کہتے ہیں

اس زیست کو لوگ خواب بھی کہتے ہیں ۱۴/۹-۳۰ء
چہرے کو کبھی نقاب بھی کہتے ہیں
اس مُہرِ خموشی میں ہیں کتنے پہلو
مجبور کو لاجواب بھی کہتے ہیں

عارض کو ترے گُلاب بھی کہتے ہیں ۱۴/۹-۳۰ء
رُخ کو ترے آفتاب بھی کہتے ہیں
بھرپور شباب ہے کہ جامِ مئے ہے؟
بیداری کو لوگ خواب بھی کہتے ہیں

اے حُسن تجھے شباب بھی کہتے ہیں ۱۴/۹-۳۰ء
اے عشق تجھے عذاب بھی کہتے ہیں
ہے نشہ میں دونوں کے خرابی مضمر
وہ آگ جسے شراب بھی کہتے ہیں

جوبن کو ترے شباب بھی کہتے ہیں ۱۴/۹-۷۳ء
بوتل میں بھری شراب بھی کہتے ہیں
اے پرتوِ حسنِ لازوال دکھلادے ضیاءؔ
آئینے کو آفتاب بھی کہتے ہیں

بھولے سے بھی کیوں وعدے کو ایفا کرتے ۲۳/۹-۷۳ء
مل جاتے تو ہم کس کی تمنّا کرتے
بجلی کی تڑپ ہی میں ہے خود اسکا وجود
اچھا نہیں کرتے وہ جو اچھا کرتے

غنچوں میں اسی غنچہ دہن کی بُو ہے ۲/۱۰-۷۳ء
پھولوں میں بسی ہوئی بدن کی بُو ہے
صاحب کے کلام میں اسی کا ہے عطر
ہر سانس اسی کے پیرہن کی بُو ہے

اک درد سا سینے میں نہاں رہتا ہے ۲/۱۰-۴۳ء
اپنا بھی مجھے ہوش کہاں رہتا ہے
جو دل نے رٹایا ہے وہی رٹتا ہوں
ہاں نام ترا وردِ زباں رہتا ہے

آنکھوں میں کھُبے عارضِ گلگوں تیرے ۳۱/۱۰-۴۳ء
ہر شام تصوّر میں ہیں گیسو تیرے
جب سے کہ نظر عید کا چاند آیا ہے
خنجر کی طرح دل میں ہیں ابرو تیرے

کیا موت سے اپنی زندگی بہتر ہے ۹/۱۱-۴۳ء
یا غم سے گھڑی بھر کی خوشی بہتر ہے
ہنس بول کے جی لیتے ہیں جینے کے لئے
کیا دل کی لگی سے دل لگی بہتر ہے ؟

سہمے ہوئے انجامِ سفر سے چلتے ۲۰-۱۱-۴۳ء
وہ دَور بھی تھا دَورِ نظر سے چلتے
جب تک ہمیں آنکھوں پہ بٹھاتا نہ کوئی
ہم بھی جاتے تھے اپنے سر سے چلتے

کیا حُسن تھا کیا شباب دیکھا ہم نے ۲۵-۱۱-۴۳ء
اے عشق ترا جواب دیکھا ہم نے
ہر نقش مٹا ذہن کے آئینے سے
بھولا ہی نہیں جو خواب دیکھا ہم نے

آنکھوں میں بسا ایک کتابی چہرہ ۲۶-۱۱-۴۳ء
مہتاب کا روپ آفتابی چہرہ
ہو جائے نشہ دیکھ کے جس کو صاحبؔ
وہ آتشِ گلنار گلابی چہرہ

لب بند ہوں اے دوست ہمیشہ ویسے ۳۰-۱۱-۶۳
اک رندِ خرابات ہو بیخود جیسے
کچھ اور بڑھا دی ہے مری روح کی پیاس
سیراب کیا جب سے لبوں کی مَے سے!

وہ بات کہے کوئی جو ایماں کی ہے ۹-۱۲-۶۳
یہ ریت اگر ہے تو کس جہاں کی ہے
صورت کو کہاں تک کوئی ترسے اے دوست!
حافظ کو بھی احتیاج قرآں کی ہے!!

آنکھوں سے محبت کا اثر دیکھ تو لو ۱۲-۱۲-۶۳
صاحب کے ذرا زخمِ جگر دیکھ تو لو
لازم نہیں کچھ درد کا درماں تم پر
اتنا تو کرو، ایک نظر دیکھ تو لو

یہ کیا ہے جو کھٹکا سا لگا رہتا ہے ۹/۱-۶۲ء
سائے کی طرح لگا لگا رہتا ہے
چلتے پھرتے ہیں خواب و بیداری میں
تیرا مجھے تخلخہ لگا رہتا ہے

سینے میں ہے آگ، آہ سوجھے کیا خاک ۹/۴-۶۲ء
آنکھو نہیں ہے خاک راہ سوجھے کیا خاک
جب ترکِ تعلق ہی کی ٹھانی تو نے
پھر دل کو مرے بناہ سوجھے کیا خاک!

امید ترے وصل کی گرماتی ہے ۱/۵-۶۲ء
ٹوٹی ہوئی آس دل کو برماتی ہے
ہر شام جدائی کی ہے پیغامِ مرگ
ہر صبح حیات اجل کو ترماتی ہے

ہیں زخمِ جگر پھول کی صورت رنگیں ۲۸/۵-۷۲ء
ہر تیرِ مژہ کی ہے جراحت رنگیں
آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں لعل و گہر
سجدے ہیں درخشاں تو عبادت رنگیں

منزل میں یہ طے کر بھی سکونگا کہ نہیں ۳۰/۵-۷۲ء
دامانِ تہی بھر بھی سکونگا کہ نہیں
مجبوری و دوری میں کٹی عمر اے دوست
قدموں میں ترے مر بھی سکونگا کہ نہیں

مہماں ہے مرے گھر تری خوشبو اب تک ۳۰/۵-۷۲ء
بھرتا ہے تصوّر میں مرے تو اب تک
آجا کہ ہے دنیا مری خالی خالی
قابو میں نہیں دل کسی پہلو اب تک

۳۰-۵-۷۲ء

رکھتا ہے جو درد وہ جگر رکھتا ہے
رہتا ہے وہی گھر میں جو گھر رکھتا ہے
اے دوست تو کیوں بھول گیا غم دے کر
مالک جو ہے وہ گھر کی خبر رکھتا ہے

۲۵-۶-۷۲ء

گھربار کو جیسے بھول جائے کوئی
آزار کو جیسے بھول جائے کوئی
اسطرح وہ بھولے مجھے جلتے گھر میں
بیمار کو جیسے بھول جائے کوئی

۲۹-۶-۷۲ء

کاٹے نہیں اب کٹتے یہ ساجن دن رین
ہوں ماہیٔ بے آب کی صورت بے چین
جادو ترے نینوں نے یہ ڈالا کیسا
دیکھے سے نہ چین نہ بن دیکھے چین

۲۹-۶-۶۲ء
بیدرد نے کچھ درد کا درماں نہ کیا
بسمل کو تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا
اے عشق میں بدنامی سے ڈرنے والے!
بیتاب مجھے رکھا ہے کس نے بتلا؟

۲۵-۷-۶۲ء
ہے یاس کا عالم جو نہیں ہو تم پاس
محفل میں نہیں ہو تو یہ محفل ہے اداس
مانگے کی قبا جسم پہ کیسے ہو چست؟
اس دہر میں آیا نہ مجھے جینا راس

۹-۷-۶۲ء
تھیں وصل کی شب دل میں امنگیں کیا کیا
اس ماہِ تمامی کا بنے ہم ہالہ
آغوش میں ساحل کے سمندر تھا مگر
قسمت نے رکھا جوں لبِ دریا پیاسا

اے شمع نہیں تو جو مری محفل میں ۲۹-۷-۶۲ء
یہ جانِ حزیں پڑی ہے کس مشکل میں
آ میرے قریب گرمجوشی دکھلا
اولے کی طرح گرہ پڑی ہے دل میں

کہتے ہیں کہ ہیں غم و مسرت توام ۵-۸-۶۲ء
مقسوم میں لکھا ہے یہاں غم ہی غم
جی چھوٹ گیا، جو ساتھ ان کا چھوٹا
ہے اپنا نظامِ زیست درہم برہم

جلتا ہوں جدائی میں کبھی آ دیکھو ۱۹-۸-۶۲ء
ہوں ماہیٔ بے آب تڑپتا دیکھو
اک جھونکے کا منتظر ہے یہ شعلۂ زیست
بجھتی ہوئی شمع کا تماشا دیکھو

یادِ قدِ رعنا لبِ جُو آتی ہے ۲/۹-۶۲ء
قُلقُل کی صدا مینا بہ گلُو آتی ہے
پھر آتشِ خاموش سے دل داغ ہوا
اِس خاک سے پھر مُشک کی بُو آتی ہے

میخانے پہ گھر کے آئے کالے بادل ۸/۹-۶۲ء
رکھی ہے دھری طاق پہ خالی بوتل
آنکھوں سے مری پھوٹ بہا گنگا جل
اے کاش جو مِل جاتا تمہارا آنچل!

کس روز جدائی میں نیا غم نہ ہوا ۸/۹-۶۲ء
کس شب کو ترے ہجر کا ماتم نہ ہوا
اک حال پہ قائم نہیں رہتی دنیا
پر ایک ترا غم جو کبھی کم نہ ہوا

بُنیاد و نہادِ دارِ فانی معلوم ۸/۹-۷۲ء
کتنی ہے جہاں میں شادمانی معلوم
جینا ہے تو انتظار میں جینا ہے
صاحبؔ یہ ظُلمِ زندگانی معلوم

اس زیست کے دن کیا کہیں کیونکر گذرے ۱۶/۹-۷۳ء
ممکن جو ہوا ہم سے وہ ہم کر گذرے
فرقت کے اندھیرے میں کٹی عمر تمام
دو دن بھی ترے بغیر دوبھر گذرے

کیا شاق گذرتی ہے جدائی تیری ۳۰/۹-۷۳ء
روشن ہے ہر اک پہ بے وفائی تیری
دل کھچتا ہے کہربا سے تنکا جیسے
اللہ رے شانِ دلربائی تیری!

دیدار کی حسرت کا نظارا ہوں میں ۲/۱۰-۴۲ء
جاگی ہوئی قسمت کا ستارا ہوں میں
آجا کہ ہے یک چشم زدن کی مہلت
ہے آخرِ شب صبح کا تارا ہوں میں

ہر ایک کی سُنتا ہے خدا آخرِ شب ۲/۱۰-۴۳ء
مانگی دلِ مضطر نے دعا آخرِ شب
روشن تھی جبیں صبح کے تارے کی طرح
تھا چاند نمودار مرا آخرِ شب

ہر عیش زمانے کا خفا ہے مجھ سے ۵/۱۰-۴۳ء
طالع ہی مرا پلٹ گیا ہے مجھ سے
تھی جسم کی جان سے جدائی صاحبؔ
جس دن سے جدا کوئی ہوا ہے مجھ سے

۳۰-۱۰-۴۳ء
ہجراں میں لہو خشک دہاں خشک ہوا
امید کا ہر نخلِ جواں خشک ہوا
لیکن نہ مری آنکھ کا آنسو سوکھا
اشکوں کا نہ دریاے رواں خشک ہوا

۲۴-۱۱-۴۳ء
اے آہ دمِ سرد ابھی باقی ہے
رہرو نہ رہے گرد ابھی باقی ہے
مدت ہوئی اس عشق کا کوچہ چھوٹا
گو دل نہ رہا درد ابھی باقی ہے

۲-۱۲-۴۳ء
شاید ہو مری موت کا دن عید مجھے
پلٹیں گے مرے دن نہیں امید مجھے
اوروں کو شبِ وصل کی عشرت بخشی
اور ہجر کا غم فرقتِ جاوید مجھے

کیا طائرِ خوش نوا یہاں چہکے ہیں　۱۲/۱۲-۴۳ء
میخانے میں رند و پارسا بہکے ہیں
صاحبؔ ہے نوا سنجِ فغاں بارے چند
ہر رنگ کے اس باغ میں گل مہکے ہیں

اب عشق بھی اک رنجش بیجا ہے عبث　۱۹/۱۲-۴۳ء
ارماں سراب، امید دھوکہ ہے عبث
دل خواہشِ مرگ کس توقع پہ کرے
جینا بھی عبث ہے اب تو مرنا ہے عبث

اب کوچ ہے مل آکے کہاں ہے اے دوست　۲۶/۲-۴۴ء
نذرانہ ترے وصل کا جاں ہے اے دوست
وہ وصل ہے جس میں نہ ہو حائل کچھ بھی
یہ جسم کا پردا بھی گراں ہے اے دوست

کاٹے ہیں کسی کی جستجو میں برسوں ۲۱/۴-۷۲ء
ڈوبے ہیں قدم اپنے لہو میں برسوں
شاید کہ یہی موت کا حیلہ بن جائے
جیتے رہے ہم جس آرزو میں برسوں

خالی ہے سبو تو جام و مینا خالی ۷/۵-۷۲ء
آنکھیں ویراں ہیں اور سینا خالی
کچھ روز سے تنہا ہوں بھری محفل میں
اک تیرے نہ ہونے سے ہے دنیا خالی

امید کوئی پھولنے پھلنے کی نہیں ۶/۶-۷۲ء
حالت تو مریض کی سنبھلنے کی نہیں
اک حال پہ قائم نہیں دنیا لیکن
صاحب یہ رُت کبھی بدلنے کی نہیں

۲۱/۶-۴۲ء
جب عمر بڑھی رنج و الم اور بڑھا
بیداد بڑھی اور ستم اور بڑھایا
پہلے ہی سے تھی موت رگِ جاں کے قریب
ہر سانس کے ساتھ ایک قدم اور بڑھا

۲/۶-۴۲ء
اب بھاگنے کی کسی میں سکت باقی ہے
اگلی سی کہاں چلت پھرت باقی ہے
اس جانِ بہاراں کی یہ حالت دیکھی
دیواریں گر چکی ہیں چھت باقی ہے!

۲۹/۶-۴۲ء
کس واسطے آہ دم بدم بھرتا ہے
بے موت کے کس واسطے تو مرتا ہے
سر میں جب آ چکی سفیدی صاحب
کس شوخ کا انتظار اب کرتا ہے؟

۶/۵-۴۳ء کیوں حرص و ہوا دل پہ ہوئی ہے غالب
اک خاک کا تودہ ہی تو ہے یہ قالب
کیا مانگ کے لے آیا ہے عمرِ خضری
کیوں عیشِ دوام کا ہوا ہے طالب؟

۲۲/۹-۴۳ء غم سے لیتے تھے شادمانی کے مزے
آتے تھے شرابِ ارغوانی کے مزے
جیتے جب بھی تھے، جیتے اب بھی ہیں ہم
اے دوست کہاں اب وہ جوانی کے مزے

۲۸/۹-۴۳ء کاٹی شبِ تنہائی میں تارے گن گن
نازک تھی جہاں طبع گراں سال و سن
کس منہ سے ہو شکوۂ غمِ طولِ حیات
دو دن میں سے جب ایک تھا مرنے کا دن

۳۰-۹-۶۳ء آفت بھی اگر ہے تو رہی تھوڑی سی
اے جانِ حزیں یہ بھی سہی تھوڑی سی
جتنی گذری ہے اسکی آدھی بھی نہیں
اب عمر ہی اپنی رہ گئی تھوڑی سی

۳۰-۱۰-۶۳ء کیا شکل بڑھاپے میں بنا کرتی ہے
مصحف سے طبیعت جو اِبا کرتی ہے
پیری میں وہ رفتار کہاں ہے باقی
اب سانس بھی مشکل سے چلا کرتی ہے

۳۰-۱۰-۶۳ء کیا کیا نہ ہوس اس دلِ صد چاک میں ہے
ہاتھوں سے تمنّاؤں کی دم ناک میں ہے
کیوں غم ہے اگر بسترِ کمخواب نہیں؟
سوتا تو بہر حال ہمیں خاک میں ہے!

مثمر تو کوئی شاخِ شجر بھی نہ ہوئی ۵-۱۱-۷۳ء
اے آہ تری ان کو خبر بھی نہ ہوئی
ہر موئے بدن مشک سے کافور ہوا
مقبول دعا وقتِ سحر بھی نہ ہوئی

گلزار جہاں میں خار و خس باقی ہے ۲۵-۱۱-۷۳ء
بے روح جسد بن کے قفس باقی ہے
ہے قبر کے کتبوں سے نمایاں صاحبؔ
مرنے پہ بھی جینے کی ہوس باقی ہے

پیری آئی شباب کی باتیں ہیں ۲۶-۱۱-۷۳ء
بیدار ہوئے ہیں خواب کی باتیں ہیں
صاحبؔ چھوڑو بھی بھول جاؤ اب تو
دراصل عذاب، عذاب کی باتیں ہیں

اس قید میں کیا موج اڑاتا ہوں میں ۴/۱۲-۳۰-۶/۷ء
آنے کی سزا ہی آ کے پاتا ہوں میں
کیوں توشۂ آخرت کی حاجت آخر
صاحبؔ اپنے ہی گھر تو جاتا ہوں میں

کب ساتھ کسی کے سیم و زر جاتا ہے ۴/۱۲-۳۰-۶/۷ء
ہاں نامۂ اعمال مگر جاتا ہے
سنتے ہیں مثلِ بھول مرے پاس رہے
رہ جاتا ہے نام آدمی مر جاتا ہے

بوڑھے بھی گئے، گئے ہیں آگے ہم عمر ۴/۱۲-۳۰-۶/۷ء
وہ بھی گئے صاحبؔ، جو تھے ہم سے کم عمر
گھٹنے سے یہ گھٹتی ہے سُنا تھا لیکن
بڑھتی ہی چلی ہے مثلِ طولِ غمِ عمر

ہے خواب گراں، خواب گراں آج بھی ہے ۱۲/۱۲-۷۳ء
گھاٹے کا یہ بازارِ جہاں آج بھی ہے
دھوکے میں بہاروں کے خزاں آج بھی ہے
ہم پیر ہوئے حرص جواں آج بھی ہے

یا موت کے قرب سے یہ ڈر جاتے ہیں ۱۲/۱۲-۷۳ء
یا قبر کی تاریکی سے گھبراتے ہیں
یا پرسشِ اعمال کا طاری ہے خوف
پیری میں جو ہاتھ پاؤں تھراتے ہیں

یہ راستہ سیدھا ہے بھٹکتے کیوں ہو ۱۲/۲-۷۴ء
ہو خاک کا بستر تو جھجکتے کیوں ہو
مٹی کے گھروندوں میں کٹی عمر تمام
پھر خاک میں جانے سے ٹھٹکتے کیوں ہو

اے عمرِ رواں زندگئی نقش بر آب ۱۰/۳-۷۴ء
ہون جیسے حباب، مثلِ ماہی بے تاب
ملنے کو بہت کچھ ملا لیکن نہ ملے
گم کردہ شباب اور کھوئے احباب

احباب کا اپنے ہمکوائے دل غم ہے ۲۰/۱۲-۷۳ء
ہے رنج بڑا سخت عجب ماتم ہے
سب اُٹھ گئے اخلاص و محبت والے
اپنا جسے ہم کہہ سکیں ایسا کم ہے

آنسو ہیں تو دامن کو بھگونے کے لئے ۹/۱۱-۷۳ء
یہ تخم دئے گئے ہیں بونے کے لئے
احباب چلے جاتے ہیں آگے پیچھے
ہم ایک ہیں ہر ایک کو رونے کے لئے

یہ ہجر کا دن یہ شبِ فرقت کیا ہے ۷/۲-۷۲ء
دو دن کی جدائی کی حقیقت کیا ہے
اک گام میں ہم اگلوں کو خود جا لیں گے
جو آگے گئے ان سے شکایت کیا ہے

دن رات جو دم میرا بھرا کرتے تھے ۸/۴-۷۲ء
مالا مرے نام کی جپا کرتے تھے
افسوس گئے ملکِ عدم کو وہ آج
کل تک جو مرے ساتھ رہا کرتے تھے

عمرِ گذراں میری ابھی باقی ہے ۳۰/۶-۷۲ء
کٹنے پہ بھی کچھ رہی سہی باقی ہے
وہ جانِ وفا چھوڑ گیا جیتے جی
آفت ہے کٹے گی جتنی بھی باقی ہے

؎ تھی لطفِ تکلم کی جو باہم مجلس ۲۸/۹-۷۳ء
صاحب وہ نہیں ہے صفِ ماتم مجلس
کیا کہیے کہ اک جذبؔ کے اُٹھ جانے سے
صد حیف ہوئی آج وہ برہم مجلس

؎ اخلاق کا اک پیکرِ ذی شاں تھے جذبؔ ۲۹/۱۱-۷۳ء
گلزارِ دکن کے گلِ خنداں تھے جذبؔ
چھوٹا نہ قلم ہاتھ سے مرتے دم تک
میدانِ ادب کے مردِ میداں تھے جذبؔ

؎ اردو ترا اک قصر تھے ایوان تھے جذبؔ ۳۰/۱۰-۷۳ء
تو جسم اگر ہے تو تری جان تھے جذبؔ
مشاطگیٔ زلف سخن ان سے تھی
اے صنفِ رباعی تری پہچان تھے جذبؔ

؎ بر انتقالِ پُرملال جذبؔ عالم پوری۔ تاریخ انتقال ۲۸/۹/۷۳ء

... ہم کس کو غزل اپنی سنائیں جا کر
ہے کون کہ جس سے داد پائیں جا کر
نیسانِ گہر بار جہاں سے اٹھا
درہائے سخن کس کو دکھائیں جا کر؟

... روشن تھی ابھی شمع بجھی صد افسوس ۲۷-۱۰-۳ء
بے کیف ہوئی ہے شاعری صد افسوس
وہ جانِ سخن حضرتِ نیساں نہ رہے
کیا بزمِ سخن الٹ گئی صد افسوس!

... عیدِ رمضاں اب کی عجب آئی ہے ۲۷-۱۰-۳ء
خوشیوں کے عوض غم کی گھٹا چھائی ہے
خود حضرتِ نیساں نہیں آئے ملنے
عید ان کی جدائی کی خبر لائی ہے

... رباعیات بر انتقال پر ملال حکیم میر ناصر علی صاحب نیساںؔ تاریخ انتقال ۲۷-۱۰-۳ء

۸/۴-۴۷ء ... صدمے وہ دئے ہم سے اٹھائے نہ گئے
جب پھیر لیا منہ کو تو آئے نہ گئے
نیساںؔ جو اٹھے عالم بالا پہنچے
روٹھے ایسے کہ پھر منائے نہ گئے

۲۶/۱۱-۴۷ء ... جادو گرِ سحر سامری یاد آیا
الفاظ و معانی کا دھنی یاد آیا
پیوندِ زمیں جو ہوا نیساںؔ بنکر
وہ برجِ سپہرِ شاعری یاد آیا

۲۶/۱۱-۴۷ء ... وہ شعر و سخن کا دل سے شیدا شاعر
وہ درد کا پتلا وہ سراپا شاعر
آساں نہیں نیساںؔ کا بدل مل جانا
پیدا کبھی ہو جاتا ہے ایسا شاعر

ΔΔΔ

... رباعیات بر انتقال پر ملال حکیم میر شامن علی صاحب نیساںؔ تاریخ انتقال ۲۷/۱۰-۴۷ء

قطعۂ تاریخ

مورخہ ۲۴-۴-۷۴ء

طباعت مجموعۂ رباعیات محترم نواب مظفر الدین صاحب زادمنقالیکم

بلند شاعرِ خوش فکر صاحب جودت ؛ رباعیات چو خیام کرد زیب سطور
رباعیاتِ نفیس و انیسِ تنہائی ؛ اگر بخوانی بیابی در و تو لطف و سرور
قمر اگر تو ہمی خواہی جیست تاریخش ؛ بگو ''لطیف افق در افق تجلیٔ نور''
۱۳۹۴ھ

از نتیجۂ فکر سید کاظم حسین قمر عابدی

قطعاتِ تاریخ از مرزا جیب علی جیب

گُل فکرِ صاحب ورق در ورق ؛ سخنہائے رنگیں سبق در سبق
ز اوجِ دو بیتی بگو سالِ طبع ؛ خوشا قصرِ عالی افق در افق
۱۹۷۴ء

چمن ہائے رنگیں شفق در شفق ؛ ثمر ہائے شیریں طبق در طبق
خوشا سالِ طبعش بگوید جیب ؛ گلستانِ زریں افق در افق
۱۳۹۴ھ

مورخہ یکم مئی ۱۹۷۴ء

افق درافق   رباعیات صاحب

قطعۂ حسابِ سالِ طباعت افق درافق
۱۳۹۴ھ

سخن در سخن گنجِ صدقِ رباعی ۞ سرِ مدح امجد دہد ذکرِ صاحب
۱۹۷۴ء ۱۳۹۴ھ
معز دو لبش نشر کرد دست ہر سو ۞ افق در افق پر گہر فکرِ صاحب
۱۹۷۴ء ۱۳۹۴ھ

گرد بمقدارِ درِ صمدانی معز قادری الملتانی

۱۹۷۴ء
۱۷/۵ ۷۴ء

از :- سید معزالدین معز قادری الملتانی

قطعۂ تاریخ ۔ طبع مجموعۂ رباعیات حضرت صاحب الموسوم بہ افق درافق

از ۔ احمد علی شاب علوی
مورخہ ۹ر جون ۱۹۷۴ء

ہے حرف و حکایت افق درافق
ہے رشد و ہدایت افق درافق
روایت ورایت افق درافق
فصاحت بلاغت افق درافق
یہ اک صاحبِ دل کی تصنیف ہے
ہے اسکی کرامت افق درافق

ہے پرواز اسکی خلا درخلا
ہے اسکی مسافت افق درافق
ہوئیں آسمانوں سے سرگوشیاں
ہے حُسنِ سماعت افق درافق
منادی ہے اسکی فضا درفضا
ہے اسکی بشارت افق درافق
کہا شاؔب نے مصرعِ سال بھی
ہے طبلِ اشاعت افق درافق ۹/۶-۷۴ء
۱۳۹۴ھ

تاریخ طباعت افق درافق منجانب جناب صاحبؔ حیدرآبادی
طبع زاد حکیم ولسیر اے وہمیؔ موخرہ ۱۴ر جون ۱۹۷۴ء
ہے صاحبؔ کی کوشش کا بیشک نتیجہ
جو کہتا ہوں میں بات سچ ہے یہ حق ہے
سنِ طبع اسکی کہو تم یہہ وہمیؔ
گلستانِ پُر گُل افق درافق ہے
۱۳۹۴ھ

نظمِ تاریخی

بہ پیکرِ رباعیات

بہ تعلقِ طباعت (افق در افق) مصنفہ نواب مظفر الدینخاں بہادر صاحب
بی، اے (عثمانیہ)

۲۱ رجون ۱۹۷۴ء

(۱)

جذبات سے اُلفت جوں ہی ٹکراتی ہے
بے ساختہ اک آہ نکل جاتی ہے
لے کہئے کہ نے کہئے اسے صدیقی
دراصل رباعی یہی کہلاتی ہے

(۲)

غزلیں دیکھیں کئی قصیدے دیکھے
قطعات بھی بہتوں کے بہت سے دیکھے
تخمیس نہ مثنوی بہ ہر صنف سخن
انداز رباعی کے انوکھے دیکھے

(۳)

دوبیتی ابو سعیدؒ ابوالخیر کی جاں
خیامؒ کی ہستی بھی اسی سے ذی شاں
باباؒ طاہرؒ۔ انیسؔ ۔ صوفی سرمدؒ
اس صنفِ لطیف سے ہے ہر ایک کی آں

(۴)

اک دکھنی نے گلے لگایا تھا اِسے
محبوب دل و جاں سے بنایا تھا اِسے
دیکھا جب اِسے خفتۂ خوابِ شیریں
امجدؒ صاحب نے تب جگایا تھا اِسے

(۵)

امجدؒ سوتے ہی سو گئی تھی پھر یہ
مشغول بہ خواب ہو گئی تھی پھر یہ
صاحبؔ نے اسے گر نہ جگایا ہوتا
ہاتھوں سے ہمارے کھو گئی تھی پھر یہ

(۶)

ذوقِ علم و ادب سے خورسند ہیں آپ
کس مادرِ جامعہ کے فرزند ہیں آپ

معروف علی شاہ فدا۔ جدِّ بزرگ
مفتونِ جمالِ حق کے دلبند ہیں آپ

(۷)

شاداب ہے دکھنیوں سے اردو کا چمن
دنیا اُردو کی ہے دکھن سے روشن
ہر ذرّہ ہے اک مہرِ درخشاں تیرا
شاباش۔ زمین حیدر آباد دکن

(۸)

صاحب کی رباعیات کا کیا کہنا
ہر لفظ عروسِ شعر کا ہے گہنا
ہے امر یہ گوشِ ہوش کا صدیقی
جب وقت ملے دوبیتی سُنتے رہنا

(۹)

صد شکر کہ پھر دوسرا مجموعہ چھپا
اربابِ سخن نے دستِ دل سے تھاما
کل تک تھا (سخن در سخن) اس دل کا سُرور
ہے آج (افق در افق) آنکھوں کی ضیا

(۱۰)

بنتے ہی طباعتِ سخن کے اسباب
ہاتھ آ گئی تاریخ اشاعت نایاب
ہر اک نے کہا سرمدؔ ثانی۔ امجدؔ
میں نے یہ کہا۔ (سرمدِ ثالث نواب)
۱۳۹۴ھ

از خواجہ عبد العلی صدیقی نقشبندی القادری

از محمد خواجہ معین الدین صدیقی بزمی فدائی ۲۵/جون ۱۹۷۴ء

قطعاتِ تاریخ طبعِ "افق در افق"

(۱)

رُباعی کی تعمیر افق در افق
تخیل کی تصویر افق در افق

یہ تاریخ بزمی تھی خواب حسین
ہے صاحب کی تعبیر افق در افق
۱۳۹۴ ہجری

(۲)

منزلِ کہکشاں سے بھی اونچا اُڑا
فکرِ سارخشِ صاحب اُفق درافق
نقشِ دوم کی تاریخ بزمی ہے یہ
گنجِ دُرِ نقشِ صاحب افق درافق

۱۳۹۴ ہجری

(۳)

ہیں صاحب بھی اک باغبانِ رباعی
ہرا اِن سے ہے گلستانِ رباعی
اشاعت کی تاریخِ ہجری ہے بزمی
افق درافق دلستانِ رباعی

۱۳۹۴ ھ

(۴)

گلِ لالہ بکھرے شفق درشفق
گہر ہائے مضمون ورق درورق
کہا سالِ تاریخ بزمی نے یہ
ہے اسرارِ عارف افق درافق

۱۳۹۴ ھ

شاعر کے کلام پر چند آراء

کلام عموماً دینی اور اخلاقی رنگ کا جابجا - امام رباعیات
امجد حیدرآبادی کے رنگ کی جھلک - عبدالماجد دریاآبادی صدق لکھنو

مجھے تو وہی رباعی یا شعر پسند ہے جو سنتے ہی یا پڑھتے ہی یاد ہوجائے
میں صاحب کی بہت ساری رباعیات کا حافظ ہوگیا ہوں
الحاج مرزا شکور بیگ - مرزا

جہاں غزل گوئی کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے رباعی گوئی کی حد
شروع ہوتی ہے - کمال یہ ہے کہ نواب صاحب موصوف رباعی اور غزل دونوں
اصناف سخن پر مہارت تامہ رکھتے ہیں - علامہ حیرت بدایونی

ان کے کلام میں تخیل کی بلندی فکر کی گہرائی اور گیرائی موجود ہے
اس مجموعے کی اشاعت سے یقیناً اردو ادب کی خدمت ہوئی -
اکبرالدین صدیقی ام - اے ریڈر اردو ، مدیر ماہنامہ سب رس

انیس ودبیر اور امجد کے بعد صنف رباعی میں نمایاں حیثیت کا مالک
جو شاعر ہمارے سامنے آتا ہے وہ نواب مظفرالدین خاں صاحب ہیں -
صاحبزادہ میر اشرف الدین علیخاں ام اے
سابق لکچرار نظام کالج و سٹی کالج حیدرآباد

صاحب کی تصنیف در سخن مجموعہ رباعیات کو نا قدین
پسندیدگی دیکھا - اور اکیڈیمی اتر پردیش لکھنو نے اوارڈ دیا
اُفق اردو شعر و ادب میں ایک اچھا اضافہ ہے -
ڈاکٹر یوسف الدین ریڈر عربی جامعہ

صاحب نے امجد حیدرآبادی کی خدمت صنف رباعی کی
قائم ہی نہیں رکھا بلکہ اسکو آگے بھی بڑھایا ہے -
ڈاکٹر سیدہ حمید شطاری ریڈر شعبہ اردو جا